کلام وزیر النساء وزیر

بعہدیست با جاناں کہ تا جاں در بدن دارم — سر کویش ز دُرِ اشک خود رشک عدن دارم
چناں آں قد رعنائی ز سر تا پیرہن دارم — چو فانوس آتش سوزانی درجان و تن دارم
طرب ساقی و یار و ابر ہر سو — صدا حافظ ز لے یاراں جاں چمن دارم
جفا تا در دستی اگر حال پریشان یارم باری — رہا کم دہ کہ بیمار نرگس حال جیسی دارم
اگر دوچ محبوں می طپیدلر تہ طارس — ہوم چو تک من دل لنگیہا ما دلش دارم
براہ جاناں سر بہ تسلیم من آوری — صاحب مست بایت کہاں جو تیش دارم

وزیرم گرچہ در کنج تواری بودہ ام لیکن
سمند طبع جولاں گرمیداں سخن دارم

ترجمہ: معشوق سے میرا ایک عہد ہے کہ جب تک جسم میں جان رہے اُس کی گلی کو اپنے آنسوؤں سے رشک عدن رکھوں گا (۲) اس قد رعنا کا خیال میرے سر پر چھایا ہوا ہے۔ فانوس کی طرح آگ جلانے والی میری جان و تن میں موجود ہے (۳) بہار ہے مطرب ہے ساقی ہے یار ہے اور ہر طرف گھٹا چھائی ہے سلے یار و رحمت میرے پاس ایک سیلاب شکن دل ہے (۴) تو لے اے جفا داگر میرے مال و برباد ہوئے

کسی بادشاہ کے حرم میں ملازم ہوئے اور دہلی چلی آئی۔ عمر بھر عزت اور حشمت سے رہی
نہایت خوشنویس تھی۔ خط ثلث خط نسخ خط نستعلیق میں ماہر کامل تھی۔ طبیعت
نہایت شوخ پائی تھی۔ نمونہ کلام کیلئے چند شعر لکھے جاتے ہیں۔ جو اُس کی
شوخ طبعی کے شاہد عادل ہیں۔

این قدر ریش چہ معنی دارد | صورت میش چہ معنی دارد
یک نخود کلہ و نہ من دستار | این کم و بیش چہ معنی دارد
کشتن و زندہ نمودن ما را | اے ستم کیش چہ معنی دارد
در رہ مہر و جفا اے ظالم | این پس و پیش چہ معنی دارد

ترجمہ۔ اسقدر داڑھی کے آخر کیا معنی۔ بکرے کی صورت بنانے سے کیا
نتیجہ (۲) ایک چنے کی برابر منہ اور نو من پگڑ اس کمی اور بیشی سے کیا مراد ہے (۳)
ہمکو مارنا اور جلانا اے ظالم یہ حرکتیں آخر کس لیئے ہیں (۴) محبت اور ظلم کے راستہ میں
اے ظالم اس پس و پیش سے کیا مطلب ہے۔

تمام شد

مجنوں صفت از عشق بتاں زار و نزارم — دیوانہ لیلےٰ صفتانم چہ تواں کرد

نام توام ہر نفسے ذکر دگر نیست — نامت شدہ چوں ورد زبانم چہ تواں کرد

ای ہمدمی از جور رقیبان ستمگار — از عرش رسیدست فغانم چہ تواں کرد

یہ گلگونی در آمدست در کاشانہ ام — حیف اے ہمدم کہ افتاد آتشے در خانہ ام

ترجمہ میں نالہ رحوں کا جلایا ہوا ہوں کیا کروں سر جلوں کا عاشق ہیں
کروں (۲) ظلم اور جور کے تیر بلا مجھ پر لگے ہیں۔ اسکے تیر دلدوز سے حاضر آگیا
ہوں کیا کروں (۳) مجنوں کی طرح معشوقوں کے عشق سے زار و نزار ہوں لیلے ادا
معشوقوں کا دیوانہ ہوں کیا کروں (۴) تیرے نام کے سوائے ہر نفس میرے لئے کوئی
دوسرا ذکر نہیں تیرا نام میرے ورد زباں ہو گیا ہے کیا کروں (۵) اے ہمدمی ظالم
رقیبوں کے ظلم سے میرا شور و فریاد عرش بریں پر گیا ہو کیا کروں (۶) ایک سرخ پوش
معشوق یکایک میرے گھر میں آگیا اے ہمنشیں دوڑ کہ میرے گھر میں آگ لگ گئی

ردیف یار

یاسمن بو۔ مرزا عسکری دامغانی کی معاصر تھی۔ اس کا شہر ایران سے
ہندوستان چلا آیا تھا اور یہیں گلبرگہ دکن میں اسکا انتقال ہوا۔ اسکے بعد یاسمن بو

مرزا غالب سے اصلاح لیتی تھی - ایک شعر اُسکا ملتا ہی -

دلم از کوچۂ آں زلف دوتا باز آمد
رفتہ بود انچہ زما باز بما باز آمد

ترجمہ - میرا دل کوچۂ زلف دوتا سے واپس آگیا - جو چیز ہمارے پاس سے گئی تھی پھر ہمکو واپس ملگئی -

ردیف ہائے ہوز

ہما - افراسیاب بیگ خاں ترک کی لڑکی تھی - ایرانی النسل تھی - نہایت حسین مہ جبین تھی چنگ خوب بجاتی تھی - ایک شعر اُس سے یادگار ہے

از خونم چہرہ قاتل پُر افشاں وقت ذبحم شد
رخش یک سادہ قرآں بود از خونم مترجم شد

ترجمہ - میرے خون سے ذبح کے وقت میرے قاتل کا چہرہ پُر افشاں ہوگیا اُس کا رخسارہ ایک سادہ قرآن تھا میرے خون سے مترجم ہوگیا -

ہمدمی - تخلص تھا - شریفہ بانو نام تھا - نہایت عفیفہ سیدانی تھی جرجان کی رہنے والی تھی - خوب بلکہ بہت خوب شعر کہتی تھی - یہ غزل اسی کی ہی -

من سوختۂ لالہ رخانم چہ تواں کرد
والہ شدۂ سبز خطانم چہ تواں کرد

صد تیر بلا و ستم و جور رسیدہ
زاں ناوک دلدوز بجانم چہ تواں کرد

نہیں کیا اسکی شاعری کا انداز بیان یہ ہے۔

در کوئے مذہب ما توبہ ز میخانہ حرام است — زہد و ورع و سبحہ صد دانہ حرام است
از بادہ و دستان غم ایام حرام است — ما در دکشاں دولت بہرام حرام است
فرض است بہ عاشق کہ بنوشند مئے تجرید — ما راہ جو دیں ئے گلفام حرام است
رنداں نظر جلوۂ دنیا نہ کنند — جز آرزوئے ساغر و صہبا نہ کنند

ترجمہ ہمارے مذہب میں میخانہ سے توبہ کرنا حرام ہے۔ زہد اور پرہیزگاری اور سو دانوں کی تسبیح حرام ہے (۲) شراب پینے والوں کے لئے زمانہ کا غم حرام ہے تلچھٹ پینے والوں کے لئے دولت بہرام کی ضرورت نہیں ہے (۳) عاشق کے لئے فرض ہے کہ تجرید کی شراب پئے راہ جو دیں کے لئے مئے گلفام حرام ہے (۴) رند جلوۂ دنیا پر نظر نہیں ڈالتے سوائے شراب و ساغر کی آرزو کے اُن کو اور کوئی آرزو نہیں ہوتی۔

ردیف واؤ

وزیر تخلص تھا اور وزیر النساء بیگم نام تھا دہلی کی رہنے والی تھی محمد اکرم حال تخلص سجاد سیستانی کی اہلیہ تھی شوہر کے فیض صحبت نے شاعر بنا دیا تھا

خواستگاری کے لئے رقعے آتے تھے۔ اور اونچے اونچے گھرانوں میں اسکی نسگنی کی تمنا کیجاتی تھی مگر نہانی نے عجب انداز اختیار کیا تھا۔ ایک رباعی کہی تھی۔ اور مشتہر کرکے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو کوئی اسکا جواب لکھے گا اسی سے شادی کرلونگی مگر کوئی اسکا جواب نہ لکھ سکا رباعی یہ ہے۔

از مرد برہنہ رُوئے زر می طلبم
از خانۂ عنکبوت پر می طلبم

من از دہن مار شکر می طلبم
وز پشۂ مادہ شیر نر می طلبم

ترجمہ۔ مرد برہنہ سے میں زر طلب کرتی ہوں۔ اور مکڑی کے جالے سے پَر مانگتی ہوں (۲) سانپ کے منہ سے شکر مانگتی ہوں۔ اور پشہ مادہ سے شیر نر طلب کرتی ہوں۔

سُنا ہے کہ سعد اللہ خاں وزیر شاہجہاں بادشاہ نے اُسکا جواب دیا۔ بعد کو نہیں معلوم کہ کیا نتیجہ ہوا۔ سعد اللہ خاں کی رُباعی یہ ہے۔

علم است برہنہ روکہ تحصیل زر است
تن خانۂ عنکبوت و دل بال و پر است

زہر است جفای علم و معنی شکر است
ہر پشہ از و جشید آں شیر نر است

اسی بنا پر مصنف اختر تاباں نے اسکو دہلی کی رہنے والی بتایا ہے غالباً یہ صحیح نہیں ہے۔ مصنف مراۃ الخیال نے اسکے مولد و مسکن کے متعلق کوئی ذکر

ما زصلیت اتمام عیار   سرو چو راست ماتراشیده

ترجمہ۔ اگرچہ سورج خدا کے حکم سے طلوع کرتا ہے مگر میرے چاند کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اگرچہ ہزار سال نکلے (۲) شاعران ما دیدہ ہا افسوس ہوا کے دیدے پھوٹ گئے ہیں معشوقوں کے قد کو سرو کہتے ہیں اور اُنکے رخسار کو عالم نہیں جانتے کہ چاند ایک قرص ہے کھوٹا اور سرو ایک ماتراشیدہ لکڑی ہے۔

نہانی۔ شیراز کی رہنے والی تھی نہایت عمدہ شعر کہتی تھی مفصل حال معلوم نہ ہوسکا

قدم بکار چشم سرکہ جا اینجاست   رواق منظر جانان چو تن لقا اینجاست
شدم دیوانہ تا در خواب دیدم آن پریرا   چو باشد حال گر منید بہ بیداری کسے اورا

ترجمہ۔ میری آنکھوں میں قدم رکھ کہ جگہ اسی جگہ ہے جانان جو تن لقا کا رواق منظر یہیں ہے (۲) میں دیوانہ ہوگیا جبکہ اس پری کو خواب میں دیکھا ہے کیا حال ہو اگر اسکو کوئی جاگتے میں دیکھ لے۔

نہانی حرم بیگم والدہ شاہ سلیماں کی مصاحب اور ہمنشیں تھی اُسکا باپ شاہ سلیماں کے زمانہ کے امرائے نامی میں تھا جو کہ نہانی نہایت حسین اور دور و تھی اور اُسکے حسن و جمال کا شہرہ جا بجا ہو چکا تھا اس وجہ سے جا بجا سے اسکی

نہانی۔ اکبرآباد کی رہنے والی تھی شہنشاہ جلال الدین کے عہد میں زندہ
تھی اور اسکا بیٹا کشمیر میں میر بحر کی خدمت انجام دیتا تھا۔ نمونہ کلام

روز غم شب درد بے آرام پیدا کردہ ام   درد مندی ہا دریں ایام پیدا کردہ ام

ترجمہ۔ دن کو غم اور رات کو درد بے آرام میں نے پیدا کر لیا ہے اِس
زمانہ میں میں نہایت دردمند ہوں۔

نہانی۔ قائن کی رہنے والی ایک شوخ طبع خوش خیال شاعرہ کا تخلص ہے

ہمچو من بر رُخ خوباں نظر پاک انداز   ہر کجا دیدہ آلودہ بود خاک انداز

ترجمہ۔ میری طرح معشوقوں کے رخسار پر پاک نظر ڈال۔ جہاں کہیں آلودہ
عصیان نگاہ ہو اس پر خاک ڈال۔

نہانی۔ کرماں کی رہنے والی خواجہ افضل کرمانی کی بہن تھی۔ جو کہ
سلطان حسین مرزا کے دربار میں دیوان بیگی کی خدمت انجام دیتا تھا۔ نہایت
اچھے شعر کہتی تھی۔

اگر چہ مہر تقدیر لایزال برآید   بماہ من نرسد گر ہزار سال برآید

وائے بر شاعران نادیدہ   کہ ندارند نور در دیدہ

قد خوباں بسرو میخوانند   رُخ ایشاں بماہ تابیدہ

پیاسوں کو ایک آب حیات کی ندی ہے (۸) اسکی زلف کے پیچھے اس کا
حال ایک بلائے پنہاں ہے بلاؤں سے مت ڈرکر رات درمیان ہے (۹) آئینہ
نے تیری نظر بازی میں ہمارا مقابلہ کیا ہے اس لئے ہم اسکو جلا وطن کرتے
ہیں (۱۰) ابھی وہ بچہ ہے ہنسا نہیں جانتا نگاہ چرانا اور دیکھنا اسکو نہیں آتا
(۱۱) یہ ظالم جو گھوڑے سوار رکیں میں میٹھا ہوا نظر آتا ہے ۔ ہماری تمام تمناؤں کا
بانی ہے (۱۲) یہ حبابی کے اوپر تو دیکھتا ہے یہ فوارہ نہیں ہے پانی نے
اس فصل کی گرمی کی وجہ سے زبان نکالدی ہے (۱۳) میری آنکھوں سے
رونے کے سوا کچھ نہیں ہوتا ۔ سچ تو ہے بیدست و پا آدمی سے اور کیا ہو سکتا ہے
نورجہاں کی قبر لاہور میں ہے جسکے کتبہ میں یہ شعر لکھا ہوا ہے
برمزار ما غریباں نے چراغے نے گلے نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے
نہائی اصفہان کی رہنے والی تھی سلطان جہان مرزا کی بیگم کی خدمت میں
آتونی کی خدمت انجام دیتی تھی نہایت خوشگو تھی یاں ایک شعر یادگار ہے
از ہر دو طرف در طلسم زلف نگار است در مذہب ما سبحہ و زنار نباشد
ترجمہ ۔ دونوں طرف سے میری طلسم معشوق کی زلف ہے ہمارے
مذہب میں تسبیح اور زناریاں ہے

تہِ زلف خالش بلائے نہاں است | مترس از بلاہا کہ شب درمیاں است
ہچشم ما برائے نظر بازی تو شد | آئینہ را جلائے وطن می کنیم ما
ہنوز آں طفل خندیدن نہ داند | نگہ دزدیدن ودیدن نہ داند
ایں خانہ براندازکہ درخانہ زین است | معمار تمنّائے من خاک نشین است
نیست فوارہ کہ بینی لب آب رواں | آب از گرمی ایں فصل برآورد زباں
نمی آید بغیر از گریہ دیگر کار از چشم، | بلے از مردم بدبست وپا دیگر چہ می آید

ترجمہ۔ میں شرار ہوں شعلہ ہوں۔ داغ ہوں۔ کباب ہوں۔ جلوہ نور ہوں۔ بجلی کا تڑپنا ہوں اضطراب ہوں بیمار کی نبض ہوں (۲) تیرے عشق نے ایسا پگھلایا کہ میرا جسم پانی ہوگیا۔ جو گرد کہ باقی رہی چشم حباب کا سُرمہ بنگئی (۳) اگر غنچہ نسیم گلزار سے کھلتا ہے۔ تو میرے دل کی کنجی یار کا تبسّم ہے (۴) نہ گل کو پہچانتا ہے نہ رنگ وبو کو نہ عارض اور زلف کو جس کسی کا دل کہ اسکے حُسن میں گرفتار ہے (۵) اے زاہد ہمارے دل میں قیامت کا خوف مت ڈال ہم نے جُدائی کی دہشت میں اپنا گزارہ کرلیا ہے قیامت تو اپنی جگہ ہے (۶) میں نے تیرا نام لیا اور اپنی جان میں آگ لگائی۔ میں اپنے ہاتھ اور زبان سے آگ میں پڑا ہوں (۷) اُسکے سر پر مروارید کی لڑی کو جانتا ہے کہ کیا چیز ہے۔ شوق کے

ایک روز بیگم حمام کر رہی تھی جہانگیر وہاں جا پہونچے اور چھیڑنے کے لئے یہ مصرعہ پڑھا

زیر داماں تو نہاں چیست اے نازک بدن

بیگم نے جواب دیا ع نقش سم آہوے چین است بر برگ سمن

ایک مرتبہ بادشاہ کے تکمہ جواہر کی تعریف میں یہ شعر کہا۔

ترا نہ تکمۂ لعل است بر لباس حریر — شدہ است قطرۂ خون منت گریباں گیر

اگرچہ اسکا لطیف کلام بہت کچھ ہوگا۔ مگر اب جستہ جستہ تذکروں میں چند شعر ملتے ہیں وہی درج کئے جاتے ہیں۔

ترارم تعلم داغم کہ بام جلوہ دہم — طلبید بہائے تو اصطرابم ہمیں بحورم

عشقت چناں کہ راحت تم را آتش شد — گردی کہ باد سر چشم حباب شد

گشاد غنچہ اگر از نسیم گلزار است — کلید قفل دل ما تبسم یار است

بہ گل شباہت رنگ تو بہار حسن و رنگ — دل کسے کہ بحسن ادا گرفتار است

ز راہ ہول قیامت بعکس در دل ما — بدل ہجراں گر رادیم قیامت معلوم

بام تو بردم و در دم آتش بجان خویش — دنا تسم چو شمع زدست زبان خویش

سلک وارید برق سرش دانی کہ چیست — تشنگان شوق را جوئے است از آب حیات

پیچھا نہ چھوڑا اور ۱۶۴۵ء مطابق ۱۰۵۵ھ میں بہتر برس کی عمر پاکر اُسنے انتقال کیا۔

تحقیق کے ساتھ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اُسنے شاعری کب شروع کی کس سے اصلاح لی۔ مگر یہ بات پایۂ ثبوت تک پہونچ چکی ہے کہ وہ ایک نازک خیال شاعرہ تھی۔ بذلہ سنجی اور حاضر جوابی میں فرد تھی۔ اُسکے لطائف وظرائف بہت سے مشہور ومعروف ہیں مگر ہم بہ لحاظ اختصار چند لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ رمضان کا مہینہ ختم ہوا اور ہلال عید دکھائی دیا۔ نورجہاں اور جہانگیر بھی بالاخانہ شاہی پر اس دلخوش کن منظر کا تماشہ دیکھ رہے تھے چاند دکھائی دیا۔ مے پرست بادشاہ جہانگیر نے خوش ہوکر بیگم کیطرف متوجہ ہوکر یہ مصرعہ پڑھا ؎ ہلال عید براوج فلک ہویدا شد۔ حاضر جواب بیگم نے فوراً یہ مصرع فی البدیہہ پڑھا ؎ کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

ایک مرتبہ جہانگیر کو ملتفت صحبت پاکر اور خود کو اس قابل نہ دیکھ کر یہ شعر سنایا

بہ قتل من اگر شاہا دلت خوشنود میگردد　　بجاں منت مگر تیغ تو خوں آلود میگردد

جب جہانگیر نے امور سلطنت کا اُسکو مختار کل بنا دیا تو سکہ پر یہ شعر مسکوک کرایا

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور　　بنام نورجہاں بادشاہ بیگم زر

۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے ایک مرتبہ مہرالنساء کو مینا بازار میں دیکھا اور اُسپر عاشق ہوکر شادی کر لی شادی کے وقت اُسکی عمر ۳۴ برس کی تھی مگر وہ اب بھی ویسی ہی خوبصورت تھی جیسی سولہ برس کی عمر والی ہو سکتی ہے ۱۶۱۳ء میں سلطان سلیمہ بیگم کے انتقال پر وہ بادشاہ بیگم کے بلند مرتبہ پر فائز ہوئی اور محلات شاہی کی تمام عورتوں سے زیادہ اُسکا اعزاز ہوگیا۔

وہ نہایت دانشمند علم و فضل میں کامل اور اخلاق حسنہ میں مکمل انسان تھی
فیاضی اور غریب پروری اسکی طبیعت کا جوہر تھی

اہل حاجت کی ضرورتیں پوری کرتی اور ہمیشہ سخاوت اور بذل و ایثار میں مصروف رہتی تھی ایجاد و اختراع کا مادہ اسکے مزاج میں شدید تھا چنانچہ زنانہ لباس میں اس نے بہت تبدیلیاں کیں اور اسکو پہلے سے زیادہ دلکش بنا دیا۔ گلاب کا عطر اُسی نے ایجاد کیا تدبیر و سلیقہ کا یہ عالم تھا کہ جہانگیر نے سلطنت کی باگ گویا اسی کے ہاتھ میں دیدی تھی اور وہ نہایت حسن انتظامی کے ساتھ اہم فرائض شاہی کو انجام دیتی تھی ۱۶۲۷ء میں جب جہانگیر کا انتقال ہوا تو نورجہاں کو شاہی کاموں سے کوئی تعلق نہ رہا وہ اسی غم میں گھلتی رہی۔ اگرچہ اسکے لئے بہت معقول پیش یعنی ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ کی مقرر تھی مگر غموں سے کسی طرح اسکا

ٹھہر گیا تھا کہ اتنے میں ملک مسعود ننھی سنی بچی کو گود میں لئے پہونچا۔ اور جہاں یہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے وہیں ٹھہر گیا۔ اب تلاش ہوئی کہ بچی کو دودھ پلانے والی کہاں سے آئے۔ چنانچہ اپنے آدمیوں کو بھیجا کہ دودھ پلانے کیلئے کسی عورت کو تلاش کریں۔ آخر کار مرزا کی بیوی دودھ پلانے کیلئے تجویز ہوئی، مگر ملک مسعود نے جب تباہی اور بربادی کا پورا قصہ سُنا تو آنسو بھر آئے پہلے بچی کو حوالہ کیا اور پھر پوری امداد کرتا رہا۔ تا اینکہ مصیبت زدہ غیاث قافلہ کے ساتھ ساتھ خوش وناخوش ہندوستان تک پہونچ گیا۔ اُس زمانہ میں شہنشاہ اکبر کی علم دوستی اور مردم شناسی کا جابجا چرچا تھا فیض کے دریا جاری تھے۔ مصیبت زدہ مرزا غیاث ملک مسعود کے ساتھ ساتھ دربار تک پہونچا۔ اور داروغۂ محل مقرر ہو گیا۔ اُدھر عصمت النساء بیگم حرم شاہی میں بیگموں کی تعلیم و تربیت کی خدمت پر مامور ہو گئی۔

نورجہاں کا ابتدائی نام مہرالنساء تھا اُسی نام سے وہ شاہی محل میں پکاری جاتی تھی۔ جوان ہونے پر اسکی شادی عہد اکبر کے مشہور تبحلع سردار علی قلی خاں المخاطب بہ شیر افگن خاں سے کر دی گئی۔ مگر شیر افگن خاں چند روز میں دشمنوں کی سازش سے مارا گیا۔ اور مہرالنساء بیوہ ہو گئی۔

سخت پریشاں تھے۔ کہ یا اللہ کیا کریں مسافرت کا عالم کس مپرسی مفلسی
نہ کوئی یار نہ مددگار انتہا یہ کہ جس دن نور جہاں پیدا ہوئی اُس روز اُسکی ماں
کئی وقت کے فاقہ سے تھی لیکن پھر بھی بچی نہایت توانا اور تندرست تھی۔
چونکہ دم لینے کی مہلت نہ تھی تھوڑا پھر سفر کی ٹھہری۔ مرزا غیاث کے دل پر
قیامت ٹوٹ پڑی تھی چھوٹے چھوٹے بچوں کی گریہ وزاری۔ کئی کئی وقت
کا فاقہ سفر کا تکان منہ پر گرد جمی ہوئی پاؤں سوجے ہوئے بیوی انتہا
سے زیادہ کمزور مگر گھوڑا گھوڑے پر سوار نوزائیدہ بچی کو گود میں لئے ہوئے
مصیبتوں پر مصیبتیں سہتے سہتے مرزا کا دل چور ہو گیا۔ بچہ کو سنبھالیں یا راستہ
طے کریں۔ کیا کریں۔ غرض یہ طے ہوا کہ بچی کو کہیں جنگل میں ڈالدیں چنانچہ
یہی ہوا دل پر جبر کا پتھر رکھا اور بچی کو ایک جھاڑی میں ڈال آگے چل کھڑے
ہوئے مگر حافظ حقیقی نگہبان تھا۔ نور جہاں رات بھر جھاڑی میں پڑی رہی کسی
نہ درندے نے کوئی آزار پہونچایا۔ نہ کسی موذی جانور نے ستایا۔ دوسرے دن
ایک قافلہ اُدھر سے گزر رہا تھا قافلہ کے ایک سوداگر نے بچی کو دیکھا
دل بھر آیا اور اُٹھا لیا بچی کی پرورش کا مصمم ارادہ کر لیا اور آگے چل کھڑا ہوا
اتفاق دیکھئے کہ مرزا غیاث کا مصیبت زدہ قافلہ کچھ دور جا کر تھک کر ایک جگہ

کی خوشبو آتی ہے (۲) اے میرے شوخ عاشق کش اسقدر بیباک نہو۔ کہ ابھی تیرے منھ سے دودھ کی بو آتی ہے۔

نورؔ - جہانگیر کی عزیز ترین بیگم نور جہاں کا تخلص ہے۔ بعض اہل تذکرہ نے بیگم کا تخلص مخفی لکھا ہے۔ مگر میں چونکہ اسی کو زیادہ ترقرین قیاس جانتا ہوں۔ اس واسطے اسی تخلص سے لکھتا ہوں۔

نور جہاں کے دادا محمد شریف طہران سے آئے وہیں پیدا ہوئے تھے، اور وہیں کے شاہی خاندان کے متوصلین متعلقین میں سے تھے آخر میں شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ میں مرو کی گورنری پر مامور ہوئے۔ دولت اور مال کے رشک وحسد نے پورے دربار کو انکا دشمن جان بنا دیا تھا اور مخالفین سیکڑوں تدبیروں میں مصروف تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام درباری انکے بیٹے مرزا غیاث پر ٹوٹ پڑے اور اُس روپیہ کا مطالبہ کیا جو محمد شریف کے ذمہ غصب کرنا ثابت کیا گیا۔ مرزا غیاث حریفوں کے اس دلشکن حملہ کی تاب نہ لاسکے اور معہ اپنے متعلقین کے ہندوستان کی طرف بھاگے۔ حاملہ بیوی اور اپنے دوسرے متعلقین کو ساتھ لیا یہ واقعہ ۱۵۷۶ء میں رونما ہوا۔ راستہ ہی میں جب قندھار پہونچے تو حالت مسافرت میں نور جہاں پیدا ہوئی۔ ماں باپ

ترجمہ میاں درد یادہ ہوتا ہے اور کم نہیں ہوتا میں نے کہا کہ صبر سے کچھ علاج کروں تو بھی نہیں ہوتا (۲) میں خوش ہوں اگر میرے دل سے تیرا غم نہیں جاتا۔ یہ کیا کم ہے کہ تیرا غم میرے دل میں ہے (۳) مری دوائی کے لئے اسے طبیب مرہم مت لا کہ یہ عاشقی کا درد ہے جو مرہم سے کم نہیں ہوتا (۴) میرے دل پر اُس بیوفا نے وہ داغ لگایا ہے کہ عمر گزر گئی اور اسکا درد نہیں جاتا (۵) ساقی خاکسار جو بہت اختلاط کر رہی ہے کیا کرے اسکا دل تیرے دل سے خوش نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اسے میسر نہیں (۶) ہمنے ایک سرو کمد سے عشق کیا ہے ماد جو اس پستی کے بلندی کی نمائی ہے۔ (۷) دنیا میں تو جس کو دیکھے کوئی نہ کوئی غم اُسکے ساتھ لگا ہوا ہے۔ غم کے ہاتھ سے مت رو کہ غم کا بھی ایک عالم ہے

نظیر۔ تیار کی رہنے والی اور مرزا ماں اللہ جو وہاں کے ایک نامور رئیس تھے کی بیوی بھی شعر کہتی تھی۔ مگر اُسکا ایک دو شعر اس سے یاد گار نہیں

مگر آں سرو چماں سوے چمن می آید   کز چمن بوئے مشک ختن می آید

شوخ عاشق کش من اینہمہ بیباک مباش   کہ ہوا دار لب تو بوئے لبس می آید

ترجمہ شاید وہ سرو چماں چمن کی طرف آتا ہے کہ باغ سے مشک ختن

لگایا ہے (۵) عاشق تمام دیوانے ہو گئے ہیں۔ جب سے کہ اُس نے زلف عنبریں میں گرہ دی ہے ہمارا غمگیں دل اتنا نہیں ٹوٹا ہے کہ دوبارہ اس شیشہ سے شیشہ بنا سکیں (۶) آئینہ کی طرح کہ چمن سے عکس پذیر ہو جائے مہری کا نقش اندیشہ ہمارے اندیشہ میں ہے۔

ردیف نون

نسائی۔ سادات محروسہ نسا میں سے تھی جو ملک خراسان میں سے ہے شعر نہایت عمدہ کہتی تھی نمونہ کلام یہ ہے۔

دردم زیادہ میشود و کم نمی شود — گفتم بہ صبر چارہ کنم ہم نمی شود

شادم اگر دلم ز تو بے غم نمی شود — بارے غم تو از دل من کم نمی شود

مرہم میار بہر دوائے من اے طبیب — کیں درد عاشقی است بمرہم نمی شود

داغے نہاد بر دلم آں بیوفا کہ عمر — بگزشت و دردمندی آں کم نمی شود

سازد بداغ ہجر نسائی خاکسار — چوں خاطرش بوصل تو خرم نمی شود

عاشقی با قامتا بر و کمندے کردہ ایم — باہمہ پستی تمنائے بلندی کردہ ایم

بہ عالم ہر کرا بینی بدل دردو غمے دارد — زدست غم منال اے دل کہ غم ہم عالمی دارد

قرار دیا ہے تو کہنے لگا کہ تونے دوسروں سے محبت کرلی ہے ۔ میں نے کہا کہ میں نے تجھے پہچان لیا ہے تو بیوفا ہے ۔ تو بولا کہ ابھی تو نے مجھے نہیں پہچانا ہے۔

لعل اشکم ہمیشہ در نظر است	چہ توان کرد پارۂ جگر است
میرود یار و مدعی از پے	خوش رفتن رہا دگر است
آں خال عنبریں کہ نگارم بر آوردہ	دل می برد ازانکہ بوجہ نکو زدہ
قصاب وار مردم چشم سیاہ کی	مژگاں قنارہ کرد و دلہا بر آوردہ
عشاق سر بسر ہمہ دیوانہ گشتہ اند	تا او گرہ بہ سلسلۂ مشکبو زدہ
آں قدر ہا شکست ایں دل چوں شیشۂ ما	کہ دگر نیست توان ساختن از شیشۂ ما
ہیچو آئینہ کہ گردد ز جہاں عکس پذیر	نقش اندیشہ بہر است دل اندیشۂ ما

ترجمہ لعل اشک ہمیشہ میری نظر میں رہتا ہے کیا کیا جائے یہ جگر کا ٹکڑا ہے (۲) یار جا رہا ہے اور دشمن اسکے پیچھے پیچھے ہے۔ رہنے کا ایمان اس گزر رہا ہے (۳) وہ خال عنبریں کہ میرے معشوق نے مہر لگایا ہے چونکہ بہت اچھے طریقہ سے لگایا ہے اس لئے بہت دلکش ہے (۴) قصاب کی طرح اسکی آنکھوں کی پتلیوں نے پلکوں کو چالاکی سے قنارہ سا کر دل کو اسکے اوپر

من تشنہ لب و تو خضر وقتم گوئی
از بہر خدا چہ شد کہ آبم نہ دہی

در خانہ تو انچہ مرا شاید نیست
بندے ز دل رمیدہ بکشاید نیست

گوی ہمہ چیز دارم از مال و منال
آرے ہمہ ہست وانچہ می باید نیست

شوے زن نوجواں اگر پیر بود
چوں پیر بود ہمیشہ دلگیر بود

آرے مثل است اینکہ زناں میگویند
در پہلوے زن تیر بہ از پیر بود

گفتم کہ مرا از نظر انداختۂ
گفتا کہ بمہر دگراں ساختۂ

گفتم کہ ترا شناختم بے مہری
گفتا کہ مرا ہنوز نہ شناختۂ

ترجمہ۔ ہرگز میرا مطلب سونے سے تو پورا نہیں کرتا۔ رات کو میں تجھ سے باتیں کرتی ہوں تو جواب بھی نہیں دیتا (۲) میں پیاسی ہوں اور تو میرے وقت کا خضر ہے خدا کے لئے مجھکو بتا تو سہی کیا ہو گیا کہ تو مجھ کو پانی نہیں دیتا (۳) تیرے گھر میں جو کچھ مجھے چاہیئے نہیں ہے ایسی چیز جو دل سے غم دور کرے نہیں ہے (۴) تو کہتا ہے مال و متاع کی میں سب چیزیں رکھتا ہوں۔ سچ ہے سب کچھ ہے بس جو کچھ چاہیئے وہی نہیں ہے (۵) نوجوان عورت کا شوہر اگر بڈھا ہو۔ وہ عورت بڑھیا کی طرح ہمیشہ رنجیدہ رہے گی (۶) سچ ہے عورتیں یہ کہتی ہیں کہ عورت کے پہلو میں بڈھے سے تیر کا ہونا اچھا (۷) میں نے کہا کہ تو نے مجھے نظر سے

ایک بادشاہ ایران کی بیگم بھی ہوئی تھی مگر چونکہ نہایت ہی آزاد طرح مبالک تھی اسی واسطے ایک جوان پر عاشق ہو کر فعل شنیع کی مرتکب ہوئی مگر بدقسمتی سے سر مِلاتے ہی اوبے پڑے گرفتار ہو گئی۔ اور عتاب شاہی کی مستوجب قرار پائی قید میں ڈالدی گئی مگر تسوجی نے گدگدایا۔ یہ رباعی موزوں کر کے بادشاہ کی خدمت میں بھیجی۔ چونکہ اس رباعی کا لطف اسی میں ہے اس لئے میں ترجمہ کرنا نہیں چاہتا۔

شہ کندہ مہا سروسیمیں تن را / دیں واقعہ تبول ست مردوں را
افسوس کہ برکندہ نبایدسودں / یا نیکہ دو تا حہ بود صد گردن را

چونکہ مولانا عبدالرحمن جامی کی معاصر تھی لہذا ایک مرتبہ اُسے مالاص مخرکی اور یہ ہجو کہہ ڈالی۔

اے شاہِ مارراں وتیر بریاں / آزردہ شد از دست دو عبدالرحمن
آں یک بسر لحیم و دیگر جامی / آں رحم ساں ز دست وایں تیغ زباں

چونکہ شوہر بڈھا تھا اور خود جوان جہاں تھی اسوجہ سے ہمیشہ شوہر سے آزردہ رہتی تھی چنانچہ ان رباعیات سے پتہ چلتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے

ہر گز کامم رخصت وجوانم ندہی / تب تا توسخن کنم جوانم ندہی

مجھ سے کیا سلوک کیا (رباعی نمبر۵) تیرے غم سے ہر رات کو ایک تازہ عذاب اٹھانا پڑتا ہے آنکھوں میں بجائے نیند کے پانی رہتا ہے۔ اور پھر جب تیری آنکھوں کی طرح میں سو جاتا ہوں تو تیری زلفوں سے زیادہ پریشان خواب دیکھتا ہوں (رباعی نمبر۶) میں تیرے عہد کو بہت کمزور سمجھتا تھا۔ اور اسکے ٹوٹنے کو یقینی جانتا تھا۔ تو نے سارے دوست میرے ساتھ جو دشمنی کی بہت دیر میں کی میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا (رباعی نمبر۷) تیرے غم کے جال میں میری طرح کوئی خستہ نہیں ہے۔ اور تیرے جور سے مجھ سا کوئی دل شکستہ نہیں ہے۔ تیرے ظلم سے جو لوگ اُٹھ گئے وہ بہت ہیں لیکن وفا کے لئے کوئی میری طرح بیٹھا ہوا نہیں ہے (شعر ۱) پیالہ تیرے ہاتھ پر رکھا ہوا اور ہی طرح کا معلوم ہوتا ہے۔ ید بیضا اور ہے اور تیرا ہاتھ اور ہے (شعر ۲) تو مجھ سے وصال کی طمع رکھتا ہے سچ تو یہ ہے کہ یہ ایک بیکار کی ہوس ہے (۳) میرا وصل خواب میں بھی ممکن نہیں ہے یہ تیرے کیا خیال ہیں۔ شعر (۴) جہاں ہوا کا بھی گزر نہو میری کیا مجال ہے۔
غزل کے آخری شعر واقعات پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ مہستی ظرافت کے شعر بھی کہتی تھی۔ مگر میں یہاں انکا لکھنا پسند نہیں کرتا۔

مہری ہر دیہ۔ ایک نہایت حسین خوبصورت اور بیباک عورت تھی۔

جام از کف دست تو شکست گرست | بد سعیا اگر دوست تو دست دگرست
از من طمع وصال داری | الحق ہوس محال داری
وصلم نتوان بخواب دیدن | این چیست کہ در خیال داری
جائیکہ صبا گذر ندارد | آیا تو کجا مجال داری

ترجمہ (رباعی) (۱) قصاب نے اپنی عادت کے موافق۔ مجھے گرایا اور مار ڈالا اور کہا کہ میری یہی عادت ہے اب پھر عذر کیلئے میرے قدموں پر سر رکھ رہا ہے۔ اور مجھے دم دیتا ہے کہ میری کھال کھینچ لے (رباعی نمبر ۲) افسوس کہ تیرے پھول کے اطراف پر کانٹوں نے قبضہ کرلیا گویا کہ لالہ کا پھول جو بیچ میں سے ہوئے ہے تیری ٹھوڑی کے بارہ پر سیاہی گم گئی تیرے ہونٹوں کے شرف پر زنگ لگ گیا (رباعی نمبر ۳) راتوں کو جو میں تیرے پاس ماہ کے ساتھ سویا تھا سب برباد ہو گیا۔ وہ موتی کہ میں نے نوک غمزہ کے ساتھ پروئے تھے سب بادہ ہو گئے۔ تو میرا آرام دل تھا اور میری جان کا رفیق تھا تو چلا گیا تو تیرے ساتھ جو کچھ میں نے کہا سب برباد ہو گیا (رباعی نمبر ۴) اب کیا قصہ سناؤں کہ تیرے اشتیاق نے کیا کیا۔ تیرے کر بھرے ہوئے دل نے کیا کیا تیری زلف کی طرح ایک دراز رات چاہیئے سب میں کچھ سے بیان کروں کہ تیری جدائی نے

قصاب چنانکه عادت اوست مرا
بفگند و بکشت وگفت این حوست مرا

سر باز به عذر می نهد بر پایم
دم میدہدم تا بہ کند پوست مرا

افسوس کہ اطراف گلت خار گرفت
زاغ آمد و لالہ را بہ منقار گرفت

سیماب زنخداں تو آورد مداد
شنجرف لب لعل تو زنگار گرفت

شب ہا کہ بناز با تو خفتم ہمہ رفت
دُر ہا کہ بنوک غمزہ سفتم ہمہ رفت

آرام دل و مونس جانم بودی
رفتی و ہر آنچہ با تو گفتم ہمہ رفت

قصہ چہ کنم کہ اشتیاق تو چہ کرد
با من دل پر زرق و نفاق تو چہ کرد

چوں زلف دراز تو شبے می باید
تا با تو بہ گویم کہ فراق تو چہ کرد

ہر شب ز غمت تازہ عذابے بینم
در دیدہ بجائے خواب آبے بینم

وانگہ کہ چو نرگس تو خوابم ببرد
آشفتہ ترا ز زلف تو خوابے بینم

من عہد تو سخت سست میدانستم
بشکستن آں درست میدانستم

ہر دشمنی ای دوست کہ با من کردی
آخر کردی نخست میدانستم

در دام غم تو خستہ نیست چو من
در جور تو دل شکستہ نیست چو من

بر خاستگاں جور تو بسیار اند
لیکن بہ وفا نشستہ نیست چو من

اِن لطیف رُباعیوں کے بعد غزل کا نمونہ بھی دیکھئے۔ اور لطف اُٹھائیے

ایک روز کا ذکر ہے کہ سلطان کی محفل عیش گرم تھی۔ شراب و کباب ساقی مستی و سرود کا دور رہتا تھا مستی کو یکہ صورت ہوئی باہر جانا پڑا۔ جاڑے کا موسم تھا اور سردی اپنے شباب کی بہار دکھا رہی تھی مستی باہر گئی تو دیکھا کہ برف چاروں طرف جمی ہوئی تھی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ عرض مستی کانپتی ہوئی واپس آئی بادشاہ نے واقعہ پوچھا۔ اس نے فی البدیہہ رباعی کہہ کر سنائی

شاہا فلکت اسپ سعادت زیں کرد   در حملہ خسرواں ترا تحسیں کرد

تا در حرکت سمند زریں نعلت   برگل نہ نہد پائے زمیں سیمیں کرد

ترجمہ اے بادشاہ آسمان نے تیرے لئے سعادت کا گھوڑا کس کر تیار کیا ہے۔ اور تمام بادشاہوں کے مقابلہ پر تیری تحسین کی ہے (۲) تیرا گھوڑا جسکے زریں نعل جڑے ہوئے ہیں تاکہ مٹی پر پاؤں نہ رکھے اس لئے آسمان نے زمین کو سیمیں بنا دیا ہے۔

مستی نہایت زود گو اور پرگو تھی مگر اُسکا دیوان شعر بھی مرتب ہو چکا تھا بعض تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں عبداللہ خاں اوزبک نے نیشاپور ہرات کیلئے حملہ کیا ہے شاید اس وقت اُسکا دیوان برباد ہو گیا۔

شمع سے کہوں اُسکی زبان پر خود وہی بات تھی جو میرے دل میں تھی (۶) چمن میں صبحدم میرے دل کی گریہ وزاری سے لالہ سوختہ خون تھا اور کیچڑ میں پاؤں پھنسا ہوا تھا (۷) جو کچھ کہ بابل اور ہاروت کا قصّہ مشہور کیا ہے۔ تیری آنکھوں کا جادو سب میں شامل تھا (۸) تیر انظارہ مہری کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ تھا افسوس صد افسوس کہ یہ دولت جلد واپس لے لیگئی۔

تذکرہ آتش کدۂ آذر میں لکھا ہے کہ مہری کو بیگم کے بھانجے سے تعلق خاطر تھا اور یہ واقعہ اتنا مشہور ہو گیا تھا کہ شدہ شدہ اس بات کی شوہر کو خبر ہو گئی چنانچہ یہ معاملہ بادشاہ تک پہونچا اور حکیم صاحب کے اشارہ اور بادشاہ کے حکم سے مہری کو قید کر دیا گیا۔ قید کی بے پایاں مشقت پڑی تو مہری نے ایک رباعی کہہ کر بیگم کو بھیجی۔ مگر یہ واقعہ غالباً صاحب تذکرہ کی غلطی سے درج ہو رہی بلکہ در صل اُس مہری کے ساتھ متعلق ہے جسکا ذکر لکھا جا چکا۔

مہستی۔ گنجہ کی رہنے والی ایک عورت کا نام تھا۔ بعض اہل تذکرہ کا خیال ہے کہ نیشاپور کی اور بعض کہتے ہیں کہ بدخشاں کی رہنے والی تھی۔ سلطان سنجر کے زمانہ میں نہایت عزت و جاہ کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی شعر کہتی تھی۔ اور طبیعت اس فن کے نہایت مناسب پائی تھی۔

اسکو صلہ دیا مہری کے کلام کا نمونہ یہ ہے۔

بیخ ہر خارے کہ آں از خاک من حاصل شود	زاہد از مسواک سازد مست ولا یعقل شود
کردم زاوج برج مہ جولیتیں طلوع	ہاں اے حکیم طالع مسعود من نگر
حل ہر نکتہ کہ از پیر خرد مشکل بود	آزمودم بیک جرعۂ مے حاصل بود
گفتم از مدرسہ پرسم سبب حرمت مے	در ہر کس کہ زدم آں خر لا یعقل بود
خواستم سوز دل خویش بگویم با شمع	داشت او بر زباں آنچہ مرا در دل بود
ہر چمن صبحدم از گریہ و زاری دلم	لالہ سوختہ جاں در دل و یاد گل بود
آنچہ از بابل و ہاروت روایت کردند	سحر چشم تو بدیدم ہمہ را شامل بود
دولتے بود تماشائے رخت مہری را	حیف صد حیف کہ ایں دولت مستعجل بود

ترجمہ جس کانٹے دار درخت کی جڑ کہ میری خاک سے حاصل ہوگی۔ زاہد اگر مسواک کرے تو مست اور بے عقل ہو جائے (۲) میں نے لیے چاند کے برج اوج پر طلوع کیا۔ اے حکیم ذرا میرے طالع مسعود کو دیکھ (۳) جس نکتہ کا حل کہ پیر خرد سے مشکل تھا میں نے آزمایا تو ایک گھونٹ شراب میں وہ مقصد حاصل ہو گیا (۴) میں نے کہا کہ مدرسہ میں حرمت مے کا سبب پوچھوں گا جس کسی کے دروازہ پر گیا وہی بیوقوف نکلا (۵) میں نے چاہا کہ اپنے دل کا سوز

بقید حیات تھی گوہر شاہ بیگم کی مصاحب تھی۔ حکیم عبدالعزیز کی بیوی تھی۔ جو میرزائے مذکور کے ایک خاص طبیب تھے۔ مہری اور حکیم صاحب موصوف میں اکثر چوٹیں چلا کرتی تھیں۔ تذکرۂ آتشکدۂ آذر اور تذکرۂ مرأۃ الخیال میں یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک روز مہری قصر جہاں نما پر نور جہاں بیگم کے پاس بیٹھی تھی اتفاقاً مہری کے شوہر خواجہ حکیم آتے دکھائی دئے۔ بیگم کو کچھ ترنگ سوجھی اُنھوں نے مہری سے کہا کہ حکیم صاحب کو ذرا جلد بلاؤ۔ چنانچہ خواجہ حکیم سے کہا گیا۔ اُنھوں نے جلدی چلنا چاہا۔ مگر بڑھاپے کے ضعف نے جلد جلد قدم نہ اُٹھانے دیا۔ اور کچھ عجیب و غریب حرکات دکھائی دیں۔ بیگم کو ہنسی آئی اور مہری سے کہا کہ خواجہ کی انھیں حرکتوں کو نظم کر کے ہمکو سناؤ۔ مہری نے یہ فی البدیہہ دو شعر کہے۔

مرا با تو سر یاری نہ ماندہ   دل مہر و وفا داری نماندہ

ترا از ضعف پیری قوت و زور   چنانکہ پائے برداری نماندہ

ترجمہ۔ مجھے اب تیرے ساتھ دوستی کا خیال نہیں رہا۔ محبت اور وفاداری کو جی نہیں چاہتا (۲) تجھ میں ضعف پیری کی وجہ سے اتنا قوت اور زور بھی باقی نہیں کہ ٹانگ اُٹھا سکے۔ یہ سنکر بیگم نہایت خوش ہوئی۔ اور

تا گلبد ے لالہ عذارست دل ما   آئینہ در دست بہارست دل ما

ترجمہ۔ جو کہ اطراف عالم میں مشتری کا نام ہوگیا ہے۔ تو اُسکے لئے راہیں حو گی ہوگئے ہیں جیسے راہ بھر ری حوگی ہوگیا تھا (۲) ہمارا دل ایک گلدان لالہ عذار کے پاس ہے بلکہ یوں سمجھو کہ ایک آئینہ ہے جو بہار کے ہاتھ میں ہے۔

مطربہ اصل میں کاشغر کی رہنے والی تھی نہایت کامل الفن تھی۔ سلطان شاہ کے زمانہ میں زندہ ملکہ اسی بادشاہ ذیجاہ کے حرم میں تھی۔ جب سلطان شاہ کا انتقال ہوا تو مطربہ کو بڑا صدمہ ہوا اور اسی غم میں ایک مرثیہ لکھا۔ اسی مرثیہ کے یہ شعر ہیں بطرق رباعی

در ماتمت اے شاہ سیہ شد روزم   بے روئے تو دیدگان خود بردوزم

تیغ تو کجاست اے دریغا تا من   خوں ریختن از دیدہ باو آموزم

ترجمہ۔ تیرے ماتم میں اے بادشاہ میں سیہ روز ہوگئی۔ تیرے دیدار کے بغیر میں اپنی آنکھوں کو سی لوں (۲) تیری تلوار کہاں ہے تاکہ میں اُسکو خوں رونا سکھاؤں

مہری ہرات کی رہنے والی تھی شاہرخ مرزا گورگان کے زمانہ میں

جدائی میں تیری زلف پریشاں سے سرگشتہ اور مجنوں بنا ہوا ہوں (۳) تیرا منہ ہونٹ - آنکھیں زلف مجھے مصری شکر نرگس اور سنبل سے اچھی معلوم ہوتی ہیں (۴) واعظ کے بیہودہ اقوال کیطرف توجہ مت کر - ان تمام قولوں ور منتروں سے ایک شراب کا بھرا ہوا پیالہ اچھا ہوتا ہے (۵) ایک اکیلا میں ہی اُسکی زلف مشکیں کے جال میں پھنسا ہوا نہیں ہوں - ہزاروں عاشق سرگشتہ ایسے ایسے اسکی زلفوں میں گرفتار ہیں (۶) مستورہ شوق سے اپنی جان شیریں قربان کرے - اگر محبت سے خسرو اپنی بزم میں بلائے (۷) اگر بادشاہ مجھ کو شیریں کی طرح محبّت کا پابند نہ کردیتا تو میں اپنے آپ کو دنیا میں فرہاد سے زیادہ بدنام کرتی (۸) ہر کوئی کسی معشوق سے دلچسپی اور عشق رکھتا ہے اے شوخ پری پیکر تو ہمارے دل کا آرام ہے (۹) میں تمام زمانہ میں پھرا مگر حُسن کی ولایت میں تجھسا کوئی نہ پایا -

مشتری - زہرہ طوائف لکھنؤ کی بہن تھی - یہ بھی آغا علی شمس سے اصلاح لیتی تھی - اب دو شعر اُسکے تذکروں میں پائے جاتے ہیں ورنہ یہ اُردو فارسی دونوں زبانوں کی شاعرۂ کاملہ تھی -

بسکہ در اطراف عالم رفت نام مشتری — راجگاں گشتند جوگی ہمچو راجہ بھرتری

مستورہ کردستان کی رہنے والی ابوالحسن بیگ کی بیٹی اور خسرو خاں کی منکوحہ تھی۔ نہایت نازک مزاج خوبرو خوشرو اور سلیقہ شعار عورت تھی۔ ماہ شرف اسکا نام تھا۔ شعر و شاعری سے فطری دلچسپی رکھتی تھی اور نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

می سوزم و می نالم پیوستہ بہ ہجرانت — رحمے بہ دل و جانم دستِ من و دامانت

دل خستہ و مجروحم از نرگس بیمارت — سرگشتہ و مغمومم از زلف پریشانت

دہن و لعل لبت دیدہ و گیسوی تو ام — از نبات و شکر و نرگس و سنبل خوشتر

گوش بر موعظۂ بیہدۂ شیخ مدار — زین ہمہ قول و فسون شاعری از دل خوشتر

نہ تنہا من بدام زلف مشکینش گرفتارم — ہزاراں عاشق سرگشتہ دارد حلقہ طرازش

نشاید جان شیریں داد ہر کس از شوق مستورہ — دہد از مہر گر خسرو بمرہم خویش دل ریش

گرم خسرو چو شیریں را دعا بالست ننمودے — بعالم خویش را رسوا تر از فرہاد میکردم

ہر کس بہ دلارامے دارد سرِ سودائے — تو شوخ پری پیکر آرام دل مائی

عالم ہمہ گردیدم آفاق نوردیدم — در کشور نیکوئی مانند تو زیبائی

ترجمہ۔ میں ہمیشہ تیری جدائی میں جلتا ہوں اور روتا ہوں خدا کے لئے میرے دل و جان پر رحم کر (۲) میں رنجیدہ اور خستہ ہو رہا ہوں تیری

ترجمہ۔ آبرو میرے نزدیک آب زندگی سے بہتر ہے۔ چشمۂ حیوان آفتاب کی نظروں سے گر گیا ہے۔

می نماید عکس مہ در آب با صد پیچ و تاب — زاں گل عارض مگر بند نقاب اُفتادہ است

ترجمہ چاند کا عکس پانی میں پیچ و تاب کھاتا دکھائی دیتا ہے۔ اُس گل عارض سے شاید بند نقاب کھل گیا ہے۔

نیست ایں خال سیہ بہت ابروئے خوشت — نقطۂ از کلک قضا در انتخاب افتادہ است

ترجمہ۔ تیری خوبصورت ابرو پر یہ سیاہ خال نہیں ہے، بلکہ قلم قضا سے یہ نقطہ انتخاب کے وقت گر گیا ہے۔

مخدومہ۔ یزد کی رہنے والی ایک شاعرہ تھی۔ کبھی کبھی شعر کہتی تھی یہ اسکا کلام ہے۔

شب عربدہ با محنت ہجراں کردم — با او دل و جاں دست و گریباں کردم

چوں دیدم از و رُوئے خلاصی مشکل — جاں دادم و کار برخود آساں کردم

ترجمہ۔ رات میں نے جدائی کی محنت سے مقابلہ کیا۔ اور دل و جان سے اسکے ساتھ دست و گریبان رہی (۲) جب میں نے اُسکے پنجہ سے چھوٹنے کی صورت نہ دیکھی۔ مجبوراً جان دیکر اپنا پیچھا چھڑایا۔

روز حسرت الٰہی چو نامہ عملم　　کنند باز کہ آں روز بار حواہ مست
کس مقابلہ آرا السر نوشت ازل　　کمی و بیشی اگر باشد آں گناہ مست

ترجمہ۔ یا اللہ بار حواہ یعنی قیامت کے دن جس دن نامۂ اعمال کھولیں تو اسکو میرے سر نوشت ازل سے مقابلہ کر لینا اگر اس سر نوشت میں کوئی کمی بیشی کی ہو تو میں گناہ گار

گرانی میکند بار تبسم لعل جاناں را　　کہ آں لب از نزاکت برنتابد سرخی پاں را

ترجمہ۔ تبسم کا بوجھ میرے معشوق کے لب پر گرانی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ لب نزاکت کیوجہ سے سرخیٔ پاں کا بھی متحمل نہیں ہے۔

ماہی ملا تاری کی بہن تھی۔ جالندھر کی رہنے والی تھی نظم و نثر میں ماہر تھی نمونہ کلام۔

اشکے کہ شد ز گوشۂ چشمم برون کسد　　بر روئے من نشستہ دعوائے خوں کند

ترجمہ۔ جو آنسو میری آنکھ سے نکلتا ہے منہ پر بیٹھ کر خون کا دعویٰ کرتا ہے

مخفی۔ ایک عورت قم کی رہنے والی تھی۔ جو کبھی کبھی شعر کہتی تھی عربی میں بھی اسکا کلام ہے

آبرو در بردمن بہتر آب زندگی است　　چشمۂ حیوان چشم آفتاب افتادہ است

چاند دیکھ کر تیری جدائی سے اُسوقت وہ زمین میں نظر آتا ہے

ماہ لقا۔ اس شاعرہ کا اصلی نام چندا پری تھا۔ حیدر آباد کی رہنے والی تھی گانے بجانے والی عورت تھی۔ نواب نظام علی خاں خلف نواب نظام الملک آصفجاہ کی نوکر تھی۔ بہت مالدار تھی جب انتقال ہوا تو اتنا مال اسباب چھوڑا کہ ایک معقول رقم اسکی نوچیوں پر تقسیم ہوئی۔ اہل قلم اور اہل سیف دونوں فرقوں کی قدردان تھی اور اسنکے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتی تھی۔ مردانہ بھیس بدلکر گھوڑے پر سوار ہوتی تھی۔ اور سیر کرتی تھی۔

ماہ لقا نے اپنا روپیہ بہت سے نیک کاموں میں صرف کیا چنانچہ اپنی زندگی میں ایک مسجد بنوائی تھی۔ ایک اسکی تاریخ کے لئے فرمائش کی شوخ طبع شاعر نے یہ بےمثل اور لاجواب تاریخ کہی۔

چہ محرابش سجود خاص و عام است فلک گفتا کہ ایں بیت الحرام است

شیر محمد خاں ایمان سے اصلاح لیتی تھی۔ نہایت پُرگو تھی۔ پُورا دیوان جمع کرلیا تھا۔ مگر وہ دیوان ۱۷۹۹ء میں خود ہی جنرل مالکم کو بطرق تحفہ دیدیا تھا جو سُنا ہے کہ اب بھی یورپ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اسکا مقبرہ حیدرآباد میں مشہور و معروف ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

لالہ خاتون ۔ مردانہ صفت عورت تھی جو ایک وقت میں خراساں کی حاکم تھی ۔ اور نہایت عدل وداد کے ساتھ انتظام حکومت کرتی تھی ۔ خود علوم میں کامل تھی اسی وجہ سے اہل کمال کی بھی قدرداں رہتی تھی اور سلوک کرتی رہتی تھی اب اسکا ایک شعر مل سکا ہے ۔

دوست جائے دیگرو من ماندہ ام در کوئے دوست

از در و دیوار کوئے دوست آید بوئے دوست

دوست دوسری جگہ ہے اور میں دوست کی گلی میں رہ گیا ہوں ۔ دوست کی گلی کے درودیوار سے بُوئے دوست آتی ہے

ردیف میم

ماہ ایک مسمہ کا تخلص ہے ۔ یہ شاعرہ جام کی رہنے والی اور ملا جامی کی معاصر تھی ۔ یوں تو اسکی سخن شاعری مشہور تھی ۔ مگر آج صرف ایک شعر ملتا ہے جو اُسنے اپنے شوہر کے مرثیہ میں کہا تھا ۔

کوکب بختم کہ بود ازوے منور آسماں ... سنگ اے سرکز وقت دریں ایں زماں

ترجمہ ۔ میری قسمت کا ستارہ کہ اُس سے آسماں روشن تھا ۔ اے میرے

گلشن - ایک شاعرہ دہلی کی رہنے والی تھی جو زمانہ صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ دہلی کے عہد میں زندہ تھی اب کلام نہیں ملتا - صرف چار پانچ شعر ملے

بخیال قد رعنائے تو اے غیرت گل — سرو آہ است کہ از سینۂ گلشن بر خاست

گلشن ز جلوۂ تو پری خانہ گشتہ است — بوی گل از ہوائے تو دیوانہ گشتہ است

بے رخت خار نماید بہ چمن گل مارا — نالۂ زاغ بود نغمۂ بلبل مارا

در جہاں ہمچو چناریم کہ با دست تہی — ہرگز از جا نہ رود پائے توکّل مارا

دُر شود قطرہ چو افتادہ ز ابر نیساں — رہنما سوئے ترقی است تنزل مارا

ترجمہ - اے غیرت گل تیرے قد رعنا کے خیال میں سرو ایک آہ ہے کہ باغ کے سینہ سے نکلی ہے (۲) باغ تیرے جلوہ سے پری خانہ ہوگیا ہے - پھول کی بو تیری ہوا میں دیوانہ ہوگئی ہے (۳) تیرے رخسار کے بغیر باغ میں گل ہمکو کانٹا معلوم ہوتا ہے - نغمۂ بلبل نالۂ زاغ معلوم ہوتا ہے (۴) ہم دنیا میں چنار کی مانند ہیں کہ خالی ہاتھ ہیں مگر پائے توکّل نہیں ڈگمگاتا - (۵) قطرہ جب ابر نیساں سے گرتا ہے تو موتی ہو جاتا ہے - تنزل ہم کو ترقی کا رستہ بتاتا ہے -

گلچہرہ بیگم۔ شاہ ہمایوں بادشاہ کی دوسری لڑکی کا نام ہے باپ اور بڑی بہن کی طرح اسکا بھی کلام ضایع ہوگیا

ہیچ گہ آں شوخ گلرخسار بے اغیار نیست
است دوست گر بود عالم گلے بے خار نیست

ترجمہ کسی وقت وہ شوخ اغیار کے بغیر نہیں رہتا۔ سچ کہا ہے کہ دنیا میں پھول کانٹے کے بغیر نہیں ملتا

گنا بیگم علی قلی خاں والہ داغستانی کی منسوبہ اور نواب اعتماد الدولہ دہلوی کی بیوی تھی۔ موزوں طبع خوش فکر شاعرہ تھی اور اسقدر نازک تھی کہ نو برس کی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ نو سو روپیہ کی برابر وزن تھا یہ دو شعر اسی کے ہیں۔

تا کشیدی از نزاکت سرمۂ دنبالہ دار
شد عصائے آبنوسی چشم بیمار ترا

جگر پرسوز و دل پرخوں گریباں چاک و جاں برلب
قضا را شرم می آید ز ساماں کہ من دارم

ترجمہ جب تو نے نزاکت کے ساتھ سرمۂ دنبالہ دار لگایا ہو تو وہ تیری آنکھ کے واسطے عصائے آبنوسی بنگئی ہے (۲) جگر میں سوز دل میں خون گریبان پھٹا ہوا جان ہونٹوں پر قضا کو اس سامان سے شرم آتی ہو جو میرے پاس ہی

سعدیا شیراز یا نامت بس است　　چوں بدیدم خانہ از خار و خس است

ستارہ بانو نے جواب میں یہ شعر کہہ کر بھیج دیا۔

ہمرہاں رفتند و ما ہم میرویم　　از برائے چند روزہ ایں لبس است

یہ شعر ستارہ بانو سے منسوب کیا جاتا ہے۔

عشق بازاں رو بسوئے قبلۂ آں کوکنید　　ہر کجا محراب ابروئش نماید رو کنید

ترجمہ۔ اے عشق بازو اس گلی کے قبلہ کی طرف منہ کرو۔ جہاں اُسکے محراب ابرو کو دیکھو اسی طرف رُخ کرو۔

ردیف کاف فارسی

گلبدن بیگم۔ بادشاہ ظہیر الدین بابر کی صاحبزادی تھیں۔ علوم رسمیہ سے نہایت اچھی طرح آگاہ تھیں۔ کبھی کبھی تفنن طبع۔ کر لئے شعر بھی کہتی تھی معلوم نہیں کیا کیا کہا ہوگا۔ میرے تذکرہ کے حصّہ میں ایک شعر آیا ہے۔

ہر پریروئے کہ او با عاشق خود یار نیست　　تو یقیں میداں کہ ہیچ از عمر برخوردار نیست

ترجمہ۔ جو پریرو کہ اپنے عاشق کا یار نہیں ہے یقیں جانئیے کہ وہ اپنی عمر سے برخوردار نہیں ہوگا۔

بلوست کہ مرغ روح مید رخ دوست   دمش واسطہ از قفس تنگ آہنگی کرد

ترجمہ۔ فیضی غم نے کہا اگر تو دل تنگ ہے۔ تا تیری امید کے پاؤں میں دم نہیں ہے۔ مرغ روح یہ چاہتا تھا کہ رخ دوست دیکھے ما سوا اسکے نفس سے راتوں رات اڑ گیا۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ شاید یہ معاصرین کی غلطی ہے۔ عجب نہیں اگر یہ رباعی فیضی ہی کی ہو۔

کنیز فاطمہ۔ شاہ سلیمان کابلی کی والدہ تھی ایک شعر اسکا ہے

سزد کہ فخر برد آسمان بدوارم   کنیز فاطمہؓ و مادر سلیمانم

ترجمہ آسمان اگر میرے زمانہ میں فخر کرے تو بجا ہے۔ میں فاطمہ کی کنیز اور سلیمان کی ماں ہوں

کوکب۔ ستارہ نام شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کی دختر نیک اختر کا تخلص ہے نہایت تیز طبع ذہین اور عمدہ شاعرہ تھیں سنا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی شخص شیخ سے ملنے گیا شیخ تشریف فرما تھے اس شخص نے آواز دی جواب ملا کہ وہ نہیں ہیں۔ چونکہ مکان بالکل معمولی حیثیت کا تھا۔ اس شخص نے یہ لکھ کر بھیج دیا

هله اے گروہ عمائیاں ز بنید هلهله لا | که جمال دلربائیاں شدہ فاش فطاهر بلا
ز بنید نغمه ز هر طرف که ز وجه طلعت ما عرف | دفع القناع وقد کشف ظلم اللیال قد انجلا
طیر العمار کفکفت دیک اثنار تصفصفت | ورق البهاء تدفدفت رکز والیه مهرولا
دو هزار احمد مصطفے ز برق آتش با صفا | شدہ مختفی شدہ در خفا متزملا متدثرا
کسے از نکرد اطاعتش نگرفت حبل و آتش | کند ش بعید ز ساعتش دهد ش ز قهر بلا

یہ ہیں اُس آزاد بیباک شاعرہ کے خیالات جو اس قصیدہ میں ظاہر ہیں میں بوجہ ملول کے اس قصیدہ کے ترجمہ سے گریز کرتا ہوں۔ ورنہ کچھ اچھا جانتا ہوں کہ ترجمہ کیا جائے۔

ردیف کاف

کاملہ بیگم۔ دلّی کی رہنے والی عہد اکبر شاہ کی ایک شاعرہ تھی۔ شاید شیخ فیضی وغیرہ سے کوئی تعلق رکھتی تھی۔ چنانچہ شیخ فیضی کے مرنے پر ایک رُباعی دردناک لکھی ہے۔

فیضی مخور این غم که دلت تنگی کرد | یا باے امید عمر تو لنگی کرد

ہو گئے۔ جب سلطنت کو اسکے متعلق اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے ہر طریقہ
سے اسکی روک تھام کی اسکے بانیوں کو شدید سزائیں دیں۔ اور اُنھیں
میں قرۃ العین بھی تھی جسکو جلا کر مار ڈالا گیا۔

یہ ایک زبردست شاعرہ تھی اسکا دیوان مکمل مطبوع ہوا لیکن اب
نایاب ہے۔ چند شعر جو مجھے مل سکے درج کرتا ہوں۔ عربی اور فارسی
دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھی۔ اور خوب کہتی تھی۔ اسکے دیوان کا
شروع یہ ہے۔

لمعات وجہک اشرقت و شعاع طلعتک اعتلا
ز چہ رو الست بربکم نزنی بزن کہ بلی بلی

بجواب طبل الست تو ز ولا چو کوس بلی زند
ہمہ خیمہ زد بدر دلم سپہ غم و حشم بلا

چہ شود کہ آتش حیرتی زنم بہ قلۂ طور دل
فسککتہ و دککتہ متدککا متزلزلا

من و مہر آں مہ خوبرو کہ زدہ صلائے بلا برد
بہ نشاط و قہقہہ شد سرو کہ انا الشہید بکربلا

چو شنید نالۂ مرگ من پی ساز من شد و برگ من
فمشی الی مہرولا و بکی علی مجلجلا

تو کہ فلس ماہی حیرتی چہ زنی بہ بحر وجود دم
بہ نشیں چو طالع و دم بہ دم بشنو خروش نہنگ لا

جذبات شوقک الجمت بسلاسل الغم و البلا
ہمہ عاشقان شکستہ دل کہ دہند جاں برہ بلا

سلام علیک کے بجائے مرحبا کہ سلام رائج کیا (۲) اذاں میں ایسا نام داخل کرایا جا (۳) اسکا یہ قول بھی تھا کہ رسول اللہ اور حضرت علیؓ نے مجھ سے بیعت کی (۴) جسطرح بغیر باب کے مکان میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بغیر میرے دیکھے اور متابعت کئے دین حق تک کوئی نہیں پہونچ سکتا۔ مریدین نے اس قول کو سنکر اس کالقب باب مقرر کر دیا۔ اور مذہب بابی کی ساڑھی۔ اِسے اپنے چند مریدین کو بامید کے طریقہ پر شیراز بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو باب کے مہدی موعود ہونے کا یقین دلائیں اور جو لوگ اُسکے مہدی موعود ہونے کی تصدیق کریں اُن سے بیعت لیں۔ ایسا تصنیف کیا ہوا کلام بھی حسین کسی کا نام ساحات۔ اور کسی کا قرآن تھا اُن کو دیا تاکہ لوگوں کو سنائیں۔ اور وہ بجائے قرآن مجید اور صحیفہ سجادیہ کے پڑھا کریں

اسکے بعد اسکا خلیفہ ملا حسین تبرد یہ ہوا اور قرۃ العین جسکا یہ ذکر ہے اُسکی مائی تھی۔ یہ نہایت حسین اور صاحب جمال بھی تھی۔ عربی میں ایسی قابل تھی کہ کچھ عبارتیں لکھ کر اس دعوے کے ساتھ پیش کیں کہ یہ کلام الٰہی کا جواب ہے اور اُسنے ہر طریقہ سے اشاعت مذہب بابی شروع کی ہر فرقہ کے لوگ اسکے حسن و جمال کے لالچ سے اس مذہب میں داخل

اور اسکے ثبوت میں بہت سی احادیث بھی پیش کیں۔ اس بات پر اس سے
معجزہ طلب کیا گیا تو اُسنے کہا کہ میری تحریر و تقریر ہی کو معجزہ سمجھو۔ میں
اس سے بہتر کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتا کہ ایک دن میں ہزار شعر مناجات
کے تصنیف کرتا ہوں۔ اور چند مناجاتیں پیش کیں جنکے اعراب بھی درست
نہ تھے۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو اُسنے جواب دیا کہ دراصل قصہ یہ ہے
کہ علم نحو اب تک غضب الٰہی میں گرفتار تھا۔ اب تک اُس میں غلطی ہونا
ناجائز تھا۔ اب میں نے خدا سے اسکی سفارش کر دی ہے اور اسکے اوپر
سے اللہ نے وہ سختیاں اُٹھا دی ہیں۔ اب یہ قیود اسپر عارض نہیں ہیں
پھر اُسنے اعلان کیا کہ میری وجود سے غرض یہ ہے کہ تمام ادیان متحد ہو جائیں
جسکے لئے میں آئندہ سال مکہ معظمہ سے شمشیر بکف خروج کرونگا اور تمام روئے زمین پر قبضہ
کرونگا لہذا جبتک تمام ادیان متحد نہوں اور تمام لوگ میرے مطیع نہو جائیں تمام
تکالیف شرعیہ میرے پیروں کیلئے معاف ہیں۔ اس لالچ میں بہت سے لوگ اسکے
مطیع ہو گئے۔ اسکے مذہب میں حقیقی بہن سے متبلا ہونا بھی زنا نہیں تھا۔
ایک عورت کا نو آدمیوں کو نکاح میں لانا جائز تھا۔ اسی قسم کے بہت سے
احکام مُریدوں کو دئے جن کو طویل ہونے کی وجہ سے نظرانداز کیا جاتا ہے

حائل اُٹھے (۲) اے دل ہر وقت محبت کے سبق کو مت دُہرا۔ دونوں جہاں میں لشہ صہبائے حیرت مت لے (۳) تیری جدائی سے غم کا الماس میرے دل میں چبھا تونے دل توڑا اور ہمارے وصل کی قسم کھائی

ردیف قاف

قرۃ العین۔ زرین تاج ام سلمہ خلیفہ بعض نے اسکو اُس مذہب بابی کا مخترع لکھا ہے۔ جو ایران میں لریج ہوا۔ یہ مرزا محمد صالح مجتہد ایران کی لڑکی تھی۔ نہایت فاضلہ اور علوم میں کاملہ تھی۔ مگر جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مذہب بابی کی مخترع یہی تھی۔ غلط ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص جسکا اصلی نام علی محمد تھا یہ ایران کے ایک مشہور تاجر محمد رضا کا بیٹا تھا اس نے پہلے فارسی پڑھی پھر عربی کی معمولی تکمیل کی پھر سید محمد کاظم کربلائی کے حلقۂ درس میں شریک ہوا جب اُستاد کا انتقال ہوگیا تو اسکے بہت سے شاگرد ہو گئے۔ یہ اپنے شاگردوں کو ساتھ لیکر کوفہ کی مسجد میں پہونچا اور ریاضات شاقہ کرنے لگا ۱۲ سنہ ھ میں اُسنے اپنے عقیدتمندوں کو یقین دلایا کہ دراصل وہ مہدی جسکا انتظار ہے وہ میں ہی ہوں۔ اور

زینگونه بہ بست نرگست خواب مرا	در گور بحیرتم کہ چوں خواہم خفت

ترجمہ۔ اب دوبارہ میں غم اور نہ جنوں سے نہ سوؤنگی۔ نہ دل غمدیدہ سے خون میں سوؤنگی (۲) تیری آنکھوں نے اس طرح میری نیند اڑادی ہے کہ مجھے تعجب ہے کہ قبر میں کیونکر سو سکونگی۔

روزے کہ بخوان وصل مہماں گشتم	شرمندہ ز انتظار ہجراں گشتم
زاں چشمہ حیواں کہ کشیدم آبے	از زندگی خویش پشیماں گشتم

ترجمہ۔ جس روز کہ میں وصل کے خوان پر مہمان ہوئی۔ جدائی کے انتظار سے شرمندہ ہوئی (۲) اُس چشمۂ حیوان سے کہ میں نے پانی پیا۔ اپنی زندگی سے پشیمان ہوئی۔

فنا النسا بیگم۔ ایک شاعرہ عہد جہانگیر میں تھی۔ نہایت نازک مزاج عالی دماغ تھی۔

ہنگام سحر دلبر من جلوہ گر آمد	صد فتنۂ خوابیدہ محشر بسر آمد
مکن تکرار اے دل ہر نفس درس محبت لا	مدہ در ہر دو عالم نشۂ صہبائے حیرت را
من از فراق تو الماس غم بدل خوردم	تو دل شکستی و سوگند وصل ما خوردی

ترجمہ صبح کے وقت میرا معشوق جلوہ گر ہوا۔ سو فتنہ محشر جو سو رہے تھے

ردیف غین

غریب۔ تبرار کی ایک خوشگو شاعرہ تھی۔ جسکو کسی ضرورت سے ترک وطن کرنا پڑا۔ اور عہد اکبر شاہ میں ہندوستان آئی۔ صرف ایک شعر اسکا دستیاب ہوسکا

خود۔ بودی یا کس دیگر بود   ایںقدر دانم کہ دل در سینہ بود

ترجمہ۔ تو لیگیا یا کوئی اور لیگیا میں تو یہ جانتا ہوں کہ میرے سینہ میں دل تھا

ردیف فا

فاطمہ بیگم۔ خراساں کی ایک شاعرہ عفت مآب تھی جسکا نام اور تخلص ایک ہی تھا عمدہ شعر کہتی تھی لیکن یہاں ایک شعر بھی نہیں جو درج کروں

فصیحہ خانم پردہ نشیناں ہرات میں سے ایک عفت مآب تخلص تھا۔ شاہ عباس ماضی کے زمانہ کی شاعرہ ہے آخر میں حبیب اللہ ترک سے اسنے نکاح کر لیا تھا اور کافی سرمایہ پایا تھا۔ اسکے بعد ہندوستان چلی آئی تھی اور یہیں انتقال کیا۔ دو رباعیاں اسکی مل سکیں

دیگر بہ زغم بہ ارغنوں خواہم گفت   ے از دل غم دیدہ سخوں خواہم گفت

تذکرۂ مراۃ الخیال میں یہ شعر بھی اُسی کے نام سے لکھا ہے۔

از پا شکستگان طلب کعبہ مشکل است　　آں کعبۂ کہ دست دہد کعبۂ دل است

ابر بہار کی طرح میں دمبدم روتی ہوں۔ اور آسمان کی طرح میں ہمیشہ سرگردان رہتی ہوں (۲) جسکے ساتھ میں وفا کرتی ہوں جفا اسکا نتیجہ پاتی ہوں۔ اپنی قسمت اور اپنے ستارہ پر سخت حیران ہوں (۳) جو لوگ پاؤں توڑ کر طلب کرنے سے باز آ گئے ہیں اُنکو کعبہ ڈھونڈھنا مشکل ہے۔ وہ کعبہ جو ملسکتا ہے وہ دل کا کعبہ ہے۔

عصمتی سمرقند کی ایک خوش فکر عورت تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

تا فگندہ است مرا بخت بد از یار جدا　　غم جدا می کشدم چرخ ستمگار جدا

ترجمہ۔ جب سے مجھ کو بدنصیبی نے یار سے جدا کر دیا ہے۔ غم علیحدہ مجھ کو مارے ڈالتا ہے اور آسمان علیحدہ۔

عفتی ملا آزری کی کنیز باتمیز تھی۔ اور ملائے موصوف کے فیض صحبت نے شاعر بھی بنا دیا تھا اسکا شعر یہ ہے

قامت سرو کہ در آب نمودار شدہ　　کرد دعوے بقد یار و نگو نسار شدہ

ترجمہ۔ سرو کا قد کہ پانی میں ظاہر ہوا۔ اُسنے قد یار سے دعوے کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ نگو نسار ہو گیا۔

اشکے کہ ز چشم من بُروں غلطیداست	در گوش کشیدنا کہ مرواریداست
از گوش بروں آر کہ بدنامی تست	کار از چشم تمام عالم دیداست

ماہی چو شب وصل تو نکشاید راز	ناگاہ ہم از شام کشد صبح آغاز
با این ہمہ گر عوض کشدم بدہم	کوتاہ شبے ازاں بصد عمر دراز

ترجمہ۔ وہ آنسو کہ میری آنکھوں سے نکلا ہے تو نے یہ سمجھ کر کہ موتی ہے کان میں ڈال لیا ہے (۲) کان سے اسکو باہر نکال کیونکہ اسمیں تیری بدنامی ہر ایک رخشا و رانکو نے دیکھا ہے۔ (۳) اگر تیری شب وصل میرے ساتھ ہمراز ہوجاوے تو یکایک شام ہی سے صبح ہو جاوے (۴) باوجود اس بے حرانی کے اگر بدلہیں سو عمر دراز مجھے دیں تو میں اُس کو بات کو اُس عمر دراز سے بدل نہیں سکتا۔

عصمت بیگم سیف الملک تورانی کی لڑکی تھی اور نہایت عمدہ شعر کہتی تھی یہ نمونہ کلام اُسی کا ہے۔

چوں از بہار وصلم گریانم	ما سد فلک ہمیشہ سرگردانم
ما ہر کہ دعا کنم دعا ئے سلیم	زحمت خود وطالع خود حیرانم

ردیف عین

عائشہ، سمرقند کی ایک پردہ نشین عورت کا نام اور تخلص تھا۔ اسکے کلام سے اسکی ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ مگر کلام صرف اسی قدر ملتا ہے۔ جو درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔

آراستہ باغ و عندلیباں مست ۔۔۔ یاراں ہمہ از نشاط گل بادہ پرست
اسباب فراغت ہمہ درہم زدہ است ۔۔۔ بشتاب کہ جز تو ہرچہ بیباید ہست
اے از تو وفا و مہربانی نایاب ۔۔۔ بے عیش تو لذت جوانی نایاب
وصل تو حیات جاودانی لیکن ۔۔۔ یابند و آب زندگانی نایاب

ترجمہ (۱) باغ آراستہ ہے اور بلبلیں مست ہیں۔ یار سب خوش ہیں گل اور بادہ کی پرستش کر رہے ہیں (۲) اسباب فراغت سب مہیّا ہیں تو دوڑ کر آ کہ بس تیری ہی کمی ہے۔

(۳) اے وہ شخص کہ تیری ذات میں وفا اور مہربانی نہیں ہے۔ بے تیرے عیش اور جوانی کی لذت نہیں ہے۔ تیرا وصل زندگانی جاوید ہے لیکن۔ جو شخص اس آب زندگانی کو پائے وہ نہیں ملتا۔

ما ایں ہمہ میدہی ہیسم ز زدں   خود قوت آں ترا کہ رحیری نیست

ترجمہ اے مردوے تجھے میری محبت نہیں ہے۔ تو بڈھا ہے ضعیف ہے اور تجھ سے کچھ ہو نہیں سکتا (۲) ان ساتوں کے باوجود بھی تو مجھے مارنے سے ڈراتا رہتا ہے۔ حالانکہ تجھ میں اُٹھنے کی بھی طاقت نہیں ہے۔

بڈھا تو ہر بھی شوخ مزاج تھا اُسے فوراً جواب دیا۔

اے زن دگر آنکہ پاس آمیری نیست   کار تو بغیر فتنہ انگیزی نیست

دارم ہمہ عیب را کہ گفتی با ما   عیبے تر از ملامت بے حیری نیست

ضیا تخلص سکندر جہاں بیگم نام رامپور علی جو ایک وقت میں ریاست جاورہ کے کوتوال تھے اُنکی لڑکی تھی اُردو میں اس شاعرہ کا ذکر گزر چکا ہے فارسی میں بھی یہ کبھی کبھی کچھ کہتی تھیں دو شعر اُسکے حاضر ہیں

ہمہ تن پیکر شکرم بہ سپاس نعمت   للہ الحمد کہ شکر اوم احساں ارزے

شدہ ملعم ز شمیم گل فیضش خوشبو   گل زمیں دل من رشک گلستاں ارزے

ترجمہ۔ میں تمام تر شکر کی تصویر ہوں رحمت کے شکریہ میں خدا کا شکر ہے کہ وہ احساں کرتا ہے اور میں شکر کرتی ہوں میری طبیعت اُسکے فیض شمیم گل سے خوشبودار ہوگئی۔ اور میرے دل کی گلی میں اُس سے رشک گلستاں ہوگئی

ردیف صاد

صراحی ۔ یہ تخلص تھا ۔ اور محترم النسار خانم نام تھا ۔ تیمان کی رہنے والی میر علی اکبر مشہدی کی لڑکی اور میر مرتضیٰ شاہ کی بیوی تھی ۔ شعر بہت کم کہتی تھی ۔ مگر کہتی تھی ایک شعر یادگار ہے ۔

صراحی گر غمے داری زبخت سرنگون خود قدح را ہمدم خود ساز و خالی کن درون خود

ترجمہ اے صراحی اگر تجھے اپنے سرنگوں نصیب سے کوئی غم ہے ۔ تو قدح کو اپنا ہمدم بنا اور اپنا دل خالی کر ۔

ردیف ضاد

ضعیفی آزادی شاعرہ جسکا ذکر پہلے ہو چکا ہے اُسکی معاصر تھی یہ اُسکی اور وہ اسکی غزل پر غزل کہا کرتی تھی ۔ یہ شاعرہ ظریفہ بھی تھی ۔ اور کبھی کبھی اپنے شوہر سے نوک جھوک ہوا کرتی تھی ۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ضعیفی اور اس کا شوہر بیٹھے ہوئے تھے ۔ ضعیفی نے یہ رباعی کہی اور شوہر کو سنائی ۔

اے مرد ترا بہرم انگیزی نیست ہم پیر و ضعیفی و ترا چیزے نیست

شاید تو نے فرہاد کا قصہ نہیں سنا ہے۔

شیریں ایک رقاصہ کا تخلص تھا۔ جو لکھنؤ مارار جوک میں رہتی تھی نہایت عمدہ شعر کہتی تھی اُردو کا دیوان مطبوعہ ہے کچھ غزلیں فارسی میں بھی کہی تھیں چند شعر فارسی کے منتخب کر کے لکھے جاتے ہیں بعض بعض شعر نہایت عمدہ کہے ہیں

ز نیکاں ہر مرا شمار من آنم کہ من دانم — طریق حسن ہا بگذارم من آنم کہ من دانم
اسیر بعض غدارم گنہ گار و خطا کارم — نیم کاذب بدین گفتارم من آنم کہ من دانم
رہ بجہت نمی پویم ہمی ہر بار میگویم — جراءت و رشت بد کردار من آنم کہ من دانم
اگر عالم کند تحسین بگردم شاد اے شیریں — بہ خلوت خانہ اغیار من آنم کہ من دانم

ترجمہ۔ مجھ کو نیکوں میں سے مت گن میں وہ ہوں کہ میں ہی جانتی ہوں حسن ہا کا طریقہ چھوڑ دے میں وہ ہوں کہ میں ہی جانتی ہوں۔ (۲) میں بعض غدار کی قیدی ہوں گنہگار اور خطاوار ہوں اس بات میں میں جھوٹی نہیں ہوں میں وہ ہوں کہ میں جانتی ہوں۔ (۳) بہشت کی راہ میں نہیں چلتی ہر مرتبہ میں یہی کہتی ہوں جراءت رہی اور بد ذات میں وہ ہوں کہ میں ہی جانتی ہوں (۴) اگر دنیا میری تعریف کرے والے شیریں میں خوش نہ ہونگی۔ خلوت خانہ میں غیر کی میں وہ ہوں کہ میں ہی جانتی ہوں۔

نادیدہ رخش چو مردم چشم	کردیم درون دیدہ جایش
من نام ترا شنیدہ میدارم دوست	نادیدہ ترا چو دیدہ میدارم دوست
در دہان خود دارم عندلیب خوش الحان	پیش من سخن گویاں زاغ در دہن دارند
غلطیدن نور رخ خورشید جز این چہ	بسمل شدہ تیغ نگاہ غضب ماست
از ماست کہ بر ماست چہ تقصیر دل زار	آن کشتۂ انداز غم بے سبب ماست
کنم ببرکت پا تخت چرخ سلطانی	دہم ببال ہما خدمت مگس رانی
ہاز آ شیریں منہ در راہ الفت گام خویش	ہاں سوئے نہ شنیدہ ماشی قصۂ فرہاد را

ترجمہ۔ اسکا مُنھ دیکھے بغیر آنکھ کی تپلی کی طرح میں نے اسکو اپنی آنکھ میں جگہ دی ہے (۲) میں تیرا نام سنکر تجھے دوست رکھتی ہوں۔ بغیر دیکھے ہوئے تجھے آنکھوں کی طرح عزیز جانتی ہوں۔ (۳) میں اپنے مُنھ میں ایک بلبل خوش آواز کہتی ہوں، میرے سامنے شاعر گویا کوے مُنھ میں لئے پھرتے ہیں۔ (۴) سورج کے منھ کا نور اڑنا کسواسطے ہے سوا اسکے کہ ہماری نگاہ سے زخمی ہے (۵)۔ جو کچھ ہے وہ ہمیں نے خود پر ستم کیا ہے دل کا کیا قصور ہے۔ وہ ہمارے غم بے سبب کے انداز کا مارا ہوا ہے (۶) میں پانوں کی برکت سے چرخ کو تخت سلطانی بنا دوں گی۔ اور ہما کے بازوں کو مگس رانی کی خدمت دوں گی (۷) شیریں کہنا ماں راہ الفت میں قدم نہ رکھ ہاں

شمس الدین التمش کا انتقال ہوا، تو اُسنے وصیت کی کہ میرے بعد عنان سلطنت رضیہ کے ہاتھ میں رہے۔ مگر اسکی وصیت پر عمل نہ ہوا، اور اسکے بجائے رضیہ بھائی فیروز حکمراں ہوا مگر اسکی بے انتظامی کی وجہ سے امرائے عہد نے چھ مہینہ بعد ہی اسکو تخت سے اُتار کر رضیہ کو سلطان بنایا۔ دو سال تک وہ نہایت ہی بیدار مغزی سے اُمور سلطنت انجام دیتی رہی مگر جب اسکو یہ خیال ہوا کہ اُسے اب شادی کرلینا چاہئے تو اس نے ایک سردار یاقوت نامی سے شادی کرنا چاہی۔ اور اسی پر جھگڑے بڑھے یہاں تک کہ تمام سردار باغی ہوگئے بادر باآخر اُسکو اپنے ایک سردار التونیہ سے لڑنا پڑا۔ یاقوت جو اسکی معیّت میں تھا اس معرکہ میں مارا گیا۔ خود رضیہ التونیہ کے قبضہ میں گئی اس سردار نے اسکا احترام کیا اور باآخر اس شرط پر اسکو رہا کردیا کہ وہ اُسی سے شادی کریگی۔ رضیہ قیدمیں کے ایام میں اور سرداروں نے اسکے چھوٹے بھائی کو تخت پر بٹھایا۔ التونیہ جو اب رضیہ کا شوہر تھا اور خود رضیہ نے اسکا انتقام لینا چاہا مگر وہ دونوں خود اپنی رعایا یا اہالیان دربار کے ہاتھوں میں پڑے اور گرفتار ہوکر دونوں مارے گئے۔ رضیہ کو شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ ترکی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھی۔ فارسی کے چند شعر یہ ہیں۔

موجود ہے لکھتا ہوں۔

قامتش سرو رخش گلفام است　　چشم بادام و دو زلفش دام است

ترجمہ۔ اسکا قد سرو کی طرح ہے اور اسکا رخسار پھول کی مانند ہے۔ آنکھ بادام اور دونوں زلفیں جال ہیں۔

شیریں۔ رضیہ سلطان دختر شمس الدین التمش کا تخلص ہے جسنے چند روز تخت دہلی پر حکمرانی کی۔ اسکا پورا نام سکہ پر یوں مضروب تھا۔ سلطان اعظم رضیۃ الدنیا والدین۔ رضیہ اپنے باپ کی نہایت پیاری بیٹی تھی سلطان شمس الدین التمش اسکی محبت کو بیٹوں پر ترجیح دیتا تھا۔ اُسنے اُسکو مردانہ اور سپاہیانہ تعلیم دلائی تھی اور جو ہنر مردوں کو سکھائے جاتے ہیں سب اسکو سکھائے تھے لکھنا پڑھنا فن شمشیر زنی۔ شہسواری تیراندازی وغیرہ میں ماہر تھی۔ نہایت نازک اندام اور حسین تھی۔ مروت اور خلق کوٹ کوٹ کر اسمیں بھرا تھا۔ مطالعہ کتب کی بیحد شائق تھی۔ تمام درباری اسکی صفات کی وجہ سے اسکی عزت کرتے تھے اور اسکو دل سے عزیز رکھتے تھے۔

التمش جب فوج لیکر جانب جنوب گیا تو اسکی غیبت میں چھ سال تک تمام سلطنت کا بوجھ رضیہ نے اُٹھایا اور نہایت حسن وخوبی سے حکمرانی کرتی رہی۔ جب

میں مست تھا سلاو میری مستی کی باتیں ہوتی تھیں (۹) عاشق کی ہمت بھی ایک با
ہے پہاڑ اُسوقت لرزرہا تھا جب فرہاد ہاتھ میں تیشہ لئے مار رہا تھا (۱۰) جب معلم نے
عشق کا ہنر اچھی طرح سکھا دیا قیس اور لیلی مکتب سے اُٹھ گئے (۱۱) میں اٹھتا ہوں اور
چارطرف نگاہ کرتا ہوں شاید کہ رفتہ رفتہ تجھے سامنے دیکھ سکوں (۱۲) مجھے اچھے بُرے
کا فرق اچھا نہیں معلوم ہوتا اسکے بعد میں بُرا کردوں گا اور اچھا سمجھوں گا (۱۳)
اے ساقی جہاں میں دل مست ہو یہ تو محتسب ہم سو بار زندہ ہوں گے اور سو بار مرکی
آرزو کریں گے (۱۴) اسلئے کہ ہمارے لئے اختیار معشوق سے در گزر کریں۔
مستانہ قتل عام کرتا ہو ہمارا ہوشیار۔
شاہی گیلاں کی رہنے والی فحش گو اور بیباک ہزال تھی۔ مگر نہایت طرار
اور چرب زباں تھی۔ ایک شخص کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی جو اُس کی بیباکی
کا نمونہ ہے۔

تاجدس جو تیری برس میں   گیرے جو دوال دزلی دریس میں
گر قاعدہ گیر تو ایں جواہر شد   ریس تو بجائے گیر زر گس میں

شرم۔ ایک طوائف تھی جو لکھنؤ کی رہنے والی تھی اس شاعر گردیں نے اُسے
اُردو کا کامل شاعر بنا دیا تھا۔ اور فارسی کے شعر بھی کبھی کبھی کہتی تھی ایک شعر

ہر چند رم و نگاہ بہر چار سو کنم	باشد کہ رفتہ رفتہ ترا رو برو کنم
این حسبت و خیز ساغر کم ظرف تنگ ما ست	مستی اگر کنم بہ شکوہ سبو کنم
مرغوب طبع تفرقہ خوب و زشت نیست	من بعد بد نمایم و دانم نکو کنم
بیدل مباش شاہجہاں این محبت است	عد باز زندہ گردم و مرگ آرزو کنم
تا بگذر رند از بت بے اختیار ما	مستانہ قتل عام کند ہوشیار ما

ترجمہ۔(۱) جب سے عقل کا چراغ ہم نے دل کے فانوس میں جلایا ہے تکبر اور نخوت غرضکہ تمام اسباب جہالت جلا دیا۔(۲) کیونکر اڑنے کی کوشش کرے اور کیونکر جال کاٹے۔ وہ شکار کہ صیاد سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتا (۳) جب میں اسکے عہد کا ذکر کرتا ہوں تو کسقدر بیباکی سے جواب دیتا ہے۔ کہ ایسا عہد عہد ہزار جگہ باندھا ہے اور ہزار جگہ توڑا ہے (۴) میری خاک پر وہ گزر رہا ہے۔ میں مردہ اچھا ہوں زندگی دوسروں کو مبارک ہو (۵) جو کوئی اس راہ میں بیٹھا آسانی سے نہیں اُٹھا۔ یار کی راہ میں میں ایسا بیٹھا ہوں کہ اُٹھ نہیں سکتا (۶) جب تک میرا زخم آرزو کے ساتھ لب نہیں کھولتا میرے سامنے کوئی نمکداں کا نام نہیں لیتا (۷) اگرچہ تیرا یہ آزادی کا نغمہ بھی اے بلبل اچھا ہے۔ مگر اسیری کی آواز اے بلبل اُس سے بھی اچھی ہے (۸) میں اپنے نصیبے کے قربان کہ ایک رات محفل دوست میں

ردیف شین

شاہجہاں ۔ شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کا تخلص ہے۔ اُردو میں شیریں تخلص فرماتی ہیں اور فارسی میں شاہجہاں آپ کی مفصل سوانح عمری اُردو کے ذکر میں لکھی گئی ہے یہاں صرف انتخاب کلام پر اکتفا کیجاتی ہے

تا چراغ عقل در فانوس دل افروختم
عجب و نخوت جملہ اسباب جہالت سوختم

چوں ہلال ابرو فتاد و چوں دام تر زد
صید کمر رصیاد دریدن نخواہد

جور عہد او بہ پرسم چہ ملا حوات گوید
کہ ہزار جا بہ بستم ہزار جا شکستم

افتاد بہ خاکم گر آں سرو رواں را
من مردہ خوشم زیست مبارک دگراں را

ہر کہ پرست از یں راہ بآسمان رسا ست
در رہ یار نشستیم کہ نتواں برخاست

تار جسم من سلے نکشاید آرزو
کش پیش سدہ نام نمکداں بی رد

گرچہ ایں نعمت ز لذی تو بسیر خوش است
لیک خوشتر بود آں ہمگی سیر بلبل

فدائے طالع خود نیستم شبے در آغوش
کہ مست بودم و از نیم سحر میرفت

ملامت ہمت عاشق کہ کوہ می ببرید
دراں بدماں کہ یکجا تیشہ کوہکن میرفت

چوں کمال ہنر عشق معلم آموخت
قیس از مکتب لیلے درس آں برخاست

ازیں سوزیکہ من دارم زعشق او پس مردن ‏ ‏ ‏ ‏ بخواہم سوخت آخر سیدہ لوح مزار خود

ترجمہ۔ میرے پہلو میں ایک دل ہے جو میرے معشوق کے چھپنے سے بیقرار ہوگیا ہے۔ بے دردوں کے سامنے اپنے بیقرار درد کا کیا اظہار کروں۔

(۲) دل کے درد سے میں ایسی روتی ہوں کہ پتھر کا دل خون ہو جاتا ہے۔ جب میں پریشان حال اپنے یار دو یار کو یاد کرتی ہوں۔

(۳) اس سبب سے دنیا میں ہمیشہ پریشان پھرتی ہوں۔ کہ اُسکی زلف کی طرح میں اپنا زمانہ پریشان دیکھتی ہوں۔

(۴) اُسکے وصل کے باغ سے ایک پھول بھی اپنے حسب مُراد نہ چُن سکی۔ اگرچہ غنچہ کی طرح میرا امیدوار دل خون ہوگیا۔

(۵) وہ ظالم بے پروائی سے ایک مرتبہ بھی نہیں سنتا اگرچہ میں اُسکے سامنے سیکڑوں مرتبہ اپنا حال زار کہتی ہوں۔

(۶) میں اپنے کام میں حیران ہوں کہ بتوں کے عشق سے میں مسکین اپنا سر و سامان نہیں دیکھتی۔

(۷) یہ سُوز جو مرنے کے بعد مجھے اُسکے عشق میں ہے اسی سے میں اپنی لوح مزار کو پھونکدوں گی۔

دونوں موجود ہیں (۲۲) سلطان صاحب میری طرح کوئی نہوگا کہ جسکو علم کی اس قدر یادداشت ہو۔

سلیمہ تخلص تھا۔ سلیمہ بیگم زوجہ بیرم خاں خانخاناں کا۔ اگرچہ یہ شاعرہ اپنے وقت کی نہایت مشہور خوشگو تھی مگر آج اسکا صرف ایک مطلع مل سکا

کاکلت را گر ز مستی رشتۂ جاں گفتہ ام   مست بودم زیں سبب حرف پریشاں گفتہ ام

ترجمہ میری کاکل کو اگر مستی کی حالت میں میں نے رشتۂ جاں کہدیا تو معاف کر میں مست تھا اس وجہ سے بکھری باتیں میرے منہ سے نکل گئیں۔

سیدہ بیگم۔ سید ناصر کی بیٹی جرجان کی رہنے والی تھی۔ اور خاقانی کی معاصر تھی۔ نہایت عمدہ شعر کہتی تھی

دلے دارم بپہلو بیقرار از ہجر یار خود   چہ گریم پیش ہر یک داں ز درد بیقرار خود
مدد دل جان گریم کہ چوں گرد دل جانا   جو یاد آرم من سرگشتہ از یار دو یار خود
ازاں پیوستہ در عالم چنیں سرگشتہ میگردم   کہ می بینم جو زلف او پریشاں روزگار خود
نگے از باغ وصل او بچیدم زہے مراد خود   جو عیبہ گر ہیچوں دیدم دل امیدوار خود
زا تنہا بدارد گوش یکبار آں جفا پیشہ   اگر در پیش او صد بار گویم حال زار خود
نگار خویش حیرانم کہ از عشق نتاں ہرگز   سر و ساماں نمی بینم من مسکیں نگار خود

کچھ مت پوچھ (۲) اُڑنے کا انداز ایک عمر سے میری یاد سے جاتا رہا۔ اے دوست میرے بندھے ہوئے بازوؤں کا کیا حال پوچھتا ہے۔

من سستیٔ عہد یار مے دانستم — بے مہریٔ آں نگار مے دانستم

آخر بہ خزاں ہجر خویشم بنشاند — من عادت نوبہار مے دانستم

ترجمہ۔ میں یار کی عہد کی سستی کو جانتا تھا۔ اُس کی بے محبتی مجھے معلوم تھی (۲) آخر اُس نے اپنے جدائی کی خزاں کے مجھے حوالہ کیا۔ میں تو پہلے ہی بہار کی عادت جانتا تھا۔

من ساقیم و شراب حاضر — اے عاشق خستہ آب حاضر

آب است شراب پیش لعلم — ہاں لعل من و شراب حاضر

ترجمہ۔ میں ساقی ہوں اور شراب حاضر ہے۔ اے عاشق خستہ پانی حاضر ہے شراب میرے سرخ ہونٹوں کے سامنے پانی ہے۔ ہاں میرے ہونٹ اور شراب دونوں موجود ہیں ملالے۔

با حسن من آفتاب ہیچ است — اینک من و آفتاب حاضر

سلطان چو منے نبودہ در دہر — عالم عالم کتاب حاضر

ترجمہ۔ آفتاب میرے حسن کے سامنے ہیچ ہے۔ دیکھ لو میں اور آفتاب

لسکہ لذت آزار در جراحت مسلم | سودۂ الماس خواہد سینۂ افگار ما

زینت زیب النساء بیگم کی چھوٹی بہن کا نام تھا یہ شہزادی بھی نہایت نیک اور دین تھی زینۃ المساجد جو اب تک دہلی میں موجود ہے اسی کی بنوائی ہوئی ہے اسی مسجد میں اسکی قبر ہے۔ کبھی کبھی شعر کہتی تھی یہ شعر اسی کا اُسکے مزار پر لکھا ہوا ہے۔

مونس ما در لحد فضل خدا تنہا بس است | سایۂ ابر رحمت قبر پوش ما بس است

ترجمہ ہمارا مونس قبر میں صرف فضل خدا کافی ہے اور رحمت کا سایہ ہمارا قبر پوش بس ہے۔

ردیف سین

سلطان ۔ خدیجہ بیگم نام تھا اور سلطان تخلص تھا علی قلی خان والہ داغستانی کی چچا زاد بہن تھی اپنے وقت کی مشہور معروف شاعرہ تھی چند شعر انتخاب کرکے درج کئے جاتے ہیں۔

از رنج درد دل خستہ ام ہیچ مپرس | از حال دل شکستہ ام ہیچ مپرس
اندازۂ پرسش رفتہ زیادم عمریست | اے دوست زحال شکستہ ام ہیچ مپرس

ترجمہ میرے رنجیدہ دل کا حال کچھ مت پوچھ میرے ٹوٹے ہوئے دل کا حال

صد بہار آخر شد وہر گل بفرقے جا گرفت　　غنچۂ باغ دل ما زیب دستارے نشد

وہ ہاتھ جو کسی محبوب کی گردن میں خم ہو کر نہیں پڑا ہے ٹوٹ جائے تو اچھا ہے
وہ آنکھ جسنے لذت دیدار نہیں حاصل کی۔ اگر اندھی ہو جائے تو بہتر ہے۔ (۲) سنو
بہاریں آئیں اور ختم ہو گئیں ہر پھول کسی گوشہ دستار پر پہونچ گیا۔ مگر ہمارے
دل کے باغ کا غنچہ کسی دستار تک نہ پہونچ سکا۔

اب چند شعر دیوان مخفی سے نقل کئے دیتا ہوں۔ اگرچہ جس دیوان سے میں لکھ رہا ہوں
وہ ایک نہایت قدیم نسخہ ہے اور میرے خیال میں کم سے کم دو سو ڈیڑھ سو برس کا لکھا ہوا
ہے۔ مگر پھر بھی میں اسکو وہی متنازعہ فیہ کا درجہ دیتا ہوں۔

از جراحتہائے دل از بسکہ لذت یافتم　　پنبہ از ناخن نہم بر زخم داغ خویش را
قصد من بہر نگاہی زمروت دور است　　کس گنہ گار نکردہ است تماشائی را
مخفی اگر نہ کافری در رہ عاشقی در آ　　از سر صدق سجدہ کن آن بت دلربائی را
کوئے عشق است نہ ناموس سلام است اینجا　　صد چو محمود بہر گوشہ غلام است اینجا
چو مجنوں از سر ہمت قدم در وادئی دل نہ　　کہ بستم تازہ مخفی با محبت عہد پیماں را
علاج تشنگیم کے شود کہ از پس عشق　　بود برابر یک قطرہ رود نیل مرا
فلک بہ بخت زبونم ہر آنچہ خواہی کن　　کہ چشم مہر و وفا نیست جز اصیل مرا

نہایت قدردان تھی بہت سے شعرا اور ادبا کا اُسکے یہاں سے وظیفہ مقرر تھا اُسکی
شادی نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھی مگر بہت سے ناواقف
اور تنگ نظر مصنفوں نے اس طرح طرح کے الزام لگائے ہیں۔ عاقل خاں کے لطیفے بھی
افترا پردازوں کے ذہنیت کے کارنامے ہیں۔ ورنہ ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اورنگزیب
عالمگیر ایسا بادشاہ جلیل القدر ہو اور اُسکے زمانہ میں خود اُسی کی لڑکی کی نسبت ایسی
افواہیں بازار میں مشہور ہوں۔ ان واقعات یا اسی قسم کے دوسرے من گھڑت افسانوں کو
صرف وہی شخص یقین کر سکتا ہے جسے قدرت نے دل و دماغ دینے میں نہایت احتیاط بلکہ
بخل سے کام لیا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ زیب النساء نے ایک مرتبہ مصرع
ناصر علی خاں کے پاس بھیجا اور صرف اسلئے کہ اُس پر دوسرا مصرع لگایا جائے۔

از ہم نمی شود ز حلاوت جدا لبم

ناصر علی نے مبالغہ۔ جواب لکھ بھیجا کہ ع شاید رسید بر لب زیب النساء لبم
اول تو عصمت شاہی کیونکر اس بات کی مقتضی ہوتی دوسرے بھلا کہاں ناصر علی کا
رنگ اور کہاں یہ بازاری مصرع وہ اشعار جو اہل تذکرہ نے زیب النساء کے
نام سے لکھے ہیں یہ ہیں

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نشد کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد

ایک مرتبہ کوئی کنیز آئینہ اُٹھا کر زیب النسا کے پاس لارہی تھی، اتفاق وقت آئینہ گر پڑا۔ کنیز ڈرتی ڈرتی زیب النساء کے پاس آئی زیب النساء نے پوچھا کیا ہوا کنیز نے یہ مصرع پڑھا۔

از قضا آئینہ چینی شکست

زیب النساء شاید شاعرانہ ترنگ میں بیٹھی ہوئی تھی غصہ کرنا یا خفا ہونا تو در کنار فوراً یہ مصرع موزوں کر کے اُس مصرعہ کے ساتھ چسپاں کر دیا اور یہ اچھا خاصہ شعر ہو گیا۔

از قضا آئینہ چینی شکست　　　خوب شد اسباب خود بینی شکست

نعمت خان عالی کو کچھ روپیہ کی ضرورت تھی، اپنا جیغہ مرصع زیب النساء کے پاس رہن کرنے کے لئے بھیجا۔ نوابی دربار تو تھا ہی، کون یاد رکھتا ہے زیب النساء کو خیال بھی نہ رہا۔ نعمت خاں تو ایک ہی بے چین طبیعت کا آدمی تھا اُس نے ایک رباعی لکھ کر بھیجی۔

اے بندگیت سعادت اختر من　　　در خدمت تو عیاں شدہ جوہر من
گر جیغہ خریدنی است پس کو زر من　　　ور نیست خریدنی بزن بر سر من

رباعی دیکھ کر زیب النساء کو بڑی ہنسی آئی اور فوراً پانچہزار روپیہ بھیجد سے لئے اور غریب شاعر کی پگڑی بھی واپس دیدی۔ غرضکہ زیب النساء علم وفضل کی

اگرچہ بہت سے لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ اُسکا کلام ضایع ہوگیا مگر ایک فرقہ یہ بھی کہتا ہے کہ بھی مطبوعہ دیوان ربط النسا اُکا دیوان ہے اسلئے آخر میں ہم اس دیوان سے بھی دو چار شعر انتخاب کریں گے اور وہ دو چار شعر جو قدیم تذکروں میں اسکے نام سے پائے جاتے ہیں بھی لکھدینگے

چونکہ وہ ایک مدلس شاعرہ تھی اسلئے بہت ممکن ہے کہ یہ لطائف جو اُسکے نام سے مشہور و معروف ہیں صیحح ہوں۔ اگرچہ ان کے غلط ہونے کے احتمالات کم کم نہیں مگر ہم لکھے دیتے ہیں۔

سنا ہے کہ ربط النسا نے ایک مرتبہ بکری کو بچہ دیتے ہوئے دیکھا جو کہ وہ نہایت تکلیف میں تھی ربط النسا ہنسی اور یہ شعر پڑھا۔ خدا جانے اسی کا ہے۔ یا اور کسی کا۔

اے صدف بستہ میروسوئے نیساں مگر ہر یک قطرہ آبے کہ شکم شگا فند

یعنی اے صدف بیا سا ہر جا اسطور کر اور ابرنیساں کی طرف ایک قطرہ پانی کیلئے تطرہ اٹھا۔ کیونکہ اسی ایک قطرہ پانی پینے کی وجہ سے پیٹ چیرا جاتا ہے

ایک مرتبہ یہ مصرع طرح ہوا ع دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود یہ ربط النسا نے فی البدیہہ کہا گر اشکِ بتانِ سرمہ آلود۔

مال و متاع ضبطی میں آ گیا۔ اگرچہ اسکی بیگناہی جلد تر ثابت ہو گئی۔ اور پھر اسکا تمام اعزاز بحال کر دیا گیا۔ مگر پھر بھی اُسکو کچھ نہ کچھ صدمہ ضرور پہونچا۔ عالمگیر زیب النسا کی بیحد عزت کرتا تھا۔ جب وہ باہر سے آتی تو اسکے استقبال کے لئے شاہزادوں کو حکماً بھیجدیتا۔ مگر جب عالمگیر دکن کے طویل سفر پر گیا زیب النسا دلّی ہی میں رہی اور ۱۱۱۳ھ میں پیوند خاک ہو گئی۔

اگرچہ تمام مورخین اسبارہ میں متفق اللفظ ہیں کہ وہ عربی فارسی میں نہایت قابل تھی نسخ اور شکستہ خط میں اسکو نہایت دستگاہ تھی۔ مگر تعجب ہے کہ کوئی تذکرہ لکھنے والا مصنف اُسکے دیوان کا تذکرہ نہیں کرتا۔ مولوی غلام علی آزاد ید بیضا میں یہ لکھتے ہیں "دو بیت از نام او مسموع شدہ"۔ اور اسکے بعد دو شعر نقل کرکے خاموش ہو جاتے ہیں۔

تذکرہ مخزن الغرائب کا مصنف لکھتا ہے کہ "اما دیوان اشعارش بنظر نیامدہ مگر در تذکرہ ہا انتخابش بنظر آمدہ لیکن اعتبار را نہ شاید بسبب آنکہ اکثر شعرا اساتذہ صاحب آن بنام بیگم نوشتہ بود"۔ اسی تذکرہ میں یہ ذکر ہے کہ اُسکے اشعار کی بیاض پانی میں گر گئی۔ ارادت فہم ایک خواص سے یہ خطا ہوئی۔ مگر یہ واقعہ قابل یقین نہیں ہے۔ اسلئے کہ حوض سے بیاض نکالی جاسکتی تھی اور پھر اُسکی نقل بہت ممکن تھی

آدمی تھا۔ دربار عالمگیری میں کسی عہدے پر ممتاز تھا اوّل میں قرآن شریف حفظ کرایا گیا بعدہٗ اسکو فارسی عربی کی تعلیم دلائی گئی۔ اور اصل استادی کا فخر ملا سعید اشرف ماژندرانی کو حاصل ہوا اُسوقت زیب النسا کی عمر اکیس سال کی تھی۔ چونکہ ملا سعید اشرف ماژندرانی ایک شاعر بھی تھے لہذا شاہزادی کے کلام نظم کی بھی اصلاح کرتے رہے۔ تیرہ چودہ برس تک تعلیم و تعلّم کے تعلق سے ملا صاحب موصوف شاہزادی کے پاس رہے آخر ۱۰۸۳ھ میں اُنھوں نے وطن جانے کا قصد کیا اور یہ قصیدہ لکھ کر زیب النسا کی خدمت میں گذرانا

یک بار از وطن نتوان برگرفت دل | در غربتم اگرچہ فزون ست اعتبار
لیکن تو قرب و بُعد تفاوت نمی کند | گر خدمت حضور نباشد مرا شعار
ہست امید من کہ ز الطاف خویش ہا | دل را شریک من کنی اے کامل عیار

زیب النسا نے انعام و اکرام کے ساتھ اُنکو رخصت کردیا۔ زیب النسا ایک شاعرانہ بے تعلق زندگی بسر کرنے والی آدمی تھی اور سیاسی امور سے اُسکو بالکل تعلق خاطر نہ تھا۔ مگر پھر بھی حسب ارادہ اکبر نے عالمگیر سے بغاوت کی تھی۔ اُسوقت اس وجہ سے کہ زیب النسا اور اکبر دونوں حقیقی بھائی بہن تھے کچھ لوگوں نے زیب النسا کی طرف سے عالمگیر کو بدظن کردیا۔ اور اُسکی سمواہ چار لاکھ سالانہ اور تمام

ترجمہ۔ ہائے ہائے کیسی بے حیا ہے کہ لوگوں کے سامنے شمع کو پروانہ نے بغل میں لے لیا۔

رفتہ رفتہ تا بحالم مہرباں گردد طبیب — ایں جراحتہا کہ من دارم کہن خواہد شدن

ترجمہ آہستہ آہستہ جبتک کہ طبیب میرے حال پر مہربان ہو۔ جو زخم میرے بدن میں ہیں پرانے ہوتے جاتے ہیں۔

خبر از من کہ برد تا بغلام بابا — زہرہ در بزم غزل تازہ نوائے دارد

ترجمہ میرے غلام بابا کو کون خبر پہونچائے کہ زہرہ غزل کی محفل میں تازہ نوا رکھتی ہے۔

غلام بابا ایک رئیس سورتی کا نام تھا۔ شاید اُن سے کچھ ایسے تعلقات ہوں گے جنکی بنا پر یہ شعر کہا گیا۔

زیب۔ ہندوستان کی نہایت مشہور شاعرہ زیب النساء بیگم کا تخلص ہے جسنے غالباً مخفی اور زیب دونوں تخلص اختیار کئے تھے۔ شاہ عالمگیر کی لڑکی تھی جو ۱۰۴۸ھ میں دلرس بانو دختر شاہ نواز خاں صفوی کے بطن سے پیدا ہوئی۔ زیب النساء جب پڑھنے لکھنے کے قابل ہوئی تو اسکی تعلیم و تربیت حافظہ مریم عنایت اللہ خاں کی ماں کے سپرد ہوئی۔ عنایت اللہ خاں ایک نہایت امیر کبیر

اور میں تیری جدائی سے آگ میں ہوں۔

زلیخا خانم۔ نوع مستحاں ترک کی بیوی تھی دہلی میں انتقال ہوا اور یہیں مدفون ہوئی تفصیلی رامپورس مطبوعہ اسکا لکھا ہوا ہے۔ مگر ناپید ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ جسے نظم میں ایک داستان لکھی اُسے کیا کیا لکھ کر کہا ہوگا مگر زمانے کی بے مہری نے سب نیا میا کر دیا اس وقت صرف ایک شعر ملتا ہے جو کسی کی ہجو میں کہا ہے۔

اراں مستی عالم سوج داد ماش دو چشمانت حال تیر قزلباش

ترجمہ تو اس سبب سے دنیا میں جمع داد ماش ہے کہ تیری دونوں آنکھیں جمال تیر قزلباش ہیں۔

زہرہ۔ لکھنؤ کی رہنے والی ایک رقاصہ کا نام ہے جسکا ذکر اردو گویوں میں کیا جا چکا ہے۔ عروض و قافیہ سے ماہر تھی فارسی کتب درسیہ سب نکلی ہوئی تھی آغا علی شمس سے اصلاح لیتی تھی۔ اسکی غزل گوئی سے اسکی غزلخوانی بہت بہتر تھی آخر میں ایک رئیس کے گھر بیٹھ گئی اور پیشہ سے توبہ کرکے تمام عمر عفت و عصمت سے بسر کی۔ یا سکا کلام ہے

ہے ہے چہ سیاست کہ دریش رسالی پروانہ زانہ سرم حل گیر کہ دست شمع

زاہدی بہر طواف حرم کوئے کسے　　صبح خیزی ز نسیم سحر آموختہ ام

ترجمہ۔ میں نے دل کا خون پینا چشم تر سے سیکھا ہے اور میں نے دل کا خون کھا کر یہ ہنر سیکھا ہے۔ (۲) میرا کام تیری جدائی میں خون جگر کھانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ عجب کام ہے جو خون جگر کھا کر سیکھا ہے (۳) عاشقی کے طریقے اور نظر بازی کی رسم کو، تمام اہل نظر سے میں نے سیکھا ہے (۴) اے ناصح تو مجھے کب تک بتوں کے عشق سے منع کریگا۔ میں نے اُستاد ازل سے اسی قدر سیکھا ہے (۵) زاہدی کسی کے حرم کوچہ کے طواف کے واسطے۔ صبح کو اٹھنا میں نے نسیم سحر سے سیکھا ہے۔

زبیدہ خاتون ۔ خلیفہ ہارون رشید کی چہیتی بیوی تھی۔ جسکے کارناموں سے تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ تفنن طبع کے لئے کبھی عربی اور کبھی فارسی میں شعر کہتی تھی۔ چنانچہ یہ وہ چند شعر ہیں جو اُسنے اپنے بیٹے محمد امین کے مرثیہ میں کہے تھے

اے جان جہان جہان ناخوش بے تو　　بغداد پریشان و مشوش بے تو

رفتی تو و من بے تو بماندم فریاد　　تو در خاکی و من در آتش بے تو

ترجمہ۔ اے جان جہان تیرے بغیر جہان بُرا معلوم ہوتا ہے۔ بغداد تیرے بغیر پریشان ہو رہا ہے (۲) تو چلا گیا اور میں تجھ بغیر رہ گئی فریاد ہے۔ تو خاک میں ہے

نقد صید تو چون رشحہ دید مشق گفتم	کسے ندیدہ شکار مگس کند شہسار

ترجمہ (۱) یاالٰہی اس گلچہرہ معشوق نے سنبل سے نقاب اٹھائی ہے یا
افسوس کے ساتھ رات کے دل میں آفتاب چھپا ہوا ہو۔ (۲) ہمارا دل چلا گیا۔ اور
حل کے آنکھوں میں سے بے رخسار کے اوپر یہ علامت ظاہر ہے (۳) شوق دل سے
میرے سینے میں دہڑکتا ہے شاید پھر کوئی دلدوز تیر کوئی معشوق میرے سینہ میں لگاتا ہے
(۴) اے رشحہ جب میں نے تیرے معشوق کو تیرے شکار کے لئے تیار دیکھا تو کہا کہ
کسی نے شہباز کو مکھی کا شکار کرتے نہیں دیکھا ہے۔

ردیف زائے معجمہ

زیری - ایران کی رہنے والی ایک خوشگو خوش مذاق تھی۔ صرف
اتنا ہی معلوم ہو سکا باقی حال پردۂ خفا میں ہے۔

خوردہ خون دل از چشم تر آموختہ ام	خوردہ ام خون دل واین ہنر آموختہ ام
کار من بے تو بجز خون جگر خوردن نیست	ہمہ از مردم صاحب نظر آموختہ ام
شیوۂ عاشقی و رسم نظر بازی را	ہمہ از مردم صاحب نظر آموختہ ام
ناصحا چند کنی منع من از عشق بتاں	من رہ سادہ دلی از پدر آموختہ ام

بھوپال میں آئی تھی۔ اور شاہجہاں بیگم صاحبہ والی بھوپال بالقابہ کی خدمت میں ایک مدحیہ قصیدہ کہہ کر گزرانا تھا جسکے صلہ میں معقول انعام پایا۔ دو شعر اس کے لکھے جاتے ہیں۔

ہست امیدم کہ باشم در حضورت ہر زماں   تا بود جاں در تنم باشم ترا خدمتگذار

در جناب حضرتت باشم ہمیشہ چوں ایاز   سایۂ لطف تو بر سر باشدم لیل و نہار

ترجمہ۔ مجھ کو امید ہے کہ میں تیرے حضور میں ہر وقت رہوں جان جبتک میرے جسم میں رہے میں تیرا خدمتگذار رہوں (۲) تیری بارگاہ میں ایاز کی طرح میں حاضر رہوں میرے سر پر تیری مہربانی کا رات دن سایہ رہے۔

رشحہ۔ کاشان کی رہنے والی تھی۔ اور ہاتف کاشانی کی لڑکی تھی علی اکبر نظیری کی بیوی اور مرزا احمد کشتہ کی ماں تھی۔ فتح علی شاہ قاچار کے زمانہ میں عیش و آرام سے کاشان میں رہتی تھی شعر و شاعری سے فطری ذوق اور قدرتی لگاؤ تھا صاحب دیوان تھی۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔

آن بت گلچہرہ یارب بستہ از سنبل نقاب   یا بافسوں کردہ پنہاں در دل شب آفتاب

دل رفت و ز خون دیدہ ما را   پیداست برخ ازیں علامت

می تپید از شوق دل در سینہ ام گوئی کہ باز   تیر دلدوزی بدل زابرو کمانے میرسد

ترجمہ۔ جو اشک میری آنکھوں سے نکلتا ہے وہ میرے مُنھ پر آتا اور خون کا دعویدار ہوتا ہے (۲) غم سے میری وہ تمام مشکلیں حل ہوگئیں جو میرے دل میں تھیں تنہا تو غم عشق حل رہ گیا اسکا حل ہونا دشوار تھا۔

ذلیف الا

رابعہ صفاہانیہ اصفہان کی رہنے والی ایک شاعرہ خوشگو خوبرو کا نام ہے جو دولت سامانیہ میں رہتی تھی یہ اسکے شعر ہیں۔

دعوتم آن است کو کاریت عاشق کناد ریکے سنگیں دل و نامہرباں چوں خویشتن
تا بدانی درد عشق و داغ مہر و غم خوری چوں بہجر اندر بپیچی پس بدانی قدر من

ترجمہ میری تیرے لئے یہ دعا ہے کہ خدا تجھے کسی کا عاشق کر دے۔ جو تجھسا ہی سنگیں دل اور اٹل ہو تاکہ تو عشق کے درد کی اور محبت کے داغ کی حالت معلوم کر کے غم کھائے جُدائی کی سختیاں اُٹھائے تب تجھے میری قدر معلوم ہو غالب نے بھی ایک شعر اسی انداز کا کہا ہے

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیئے

رخشندہ بانو۔ بغداد کی رہنے والی تھی ۳۱۳ھ میں لیے بھائی کیساتھ

کیونکہ وہ ایک کوچہ گرد اور بازاری ہے۔ (۴) ہر عورت دو گز کا ڈوپٹہ اوڑھ کر
کدبانو نہیں بن سکتی۔ ہر کوئی ٹوپی پہن کر سردار بننے کے قابل نہیں ہو جاتا (۵)
عورت کا سر ہمیشہ دوپٹہ میں چھپا رہنا چاہیئے اور وہ ڈوپٹہ بھی ایسا ہونا چاہیئے
جسکا تانا بانا عصمت اور نکوکاری سے ہو۔

ردیف دال

دختر۔ ایک شاعرہ عفیفہ روزگار کا تخلص تھا جو ایران کی رہنے والی تھی
یہ شعر اُسی کا ہے۔

مگو رسوائے عشق از مردم عالم غمی دارد　　که عاشق گشتن و رسوا شدن ہم عالمے دارد

ترجمہ۔ یہ نہ سمجھ کہ رسوائے عشق دنیا کے آدمیوں سے کچھ آزردہ ہے۔ کیونکہ
عاشق ہونا اور بدنام ہونا بھی ایک شان رکھتا ہے۔

دلشاد خاتون۔ امیر علی جلایر کی صاحبزادی تھیں نظم و نثر دونوں خوب
لکھتی تھیں۔ یہ شعر نمونتاً درج ہیں۔

اشکے کہ سر زگوشۂ چشمم بروں کند　　بر رُوئے من نشیند و دعوئے خوں کند
حل شد از علم ہمہ مشکل کہ مرا در دل بود　　جز غم عشق کہ حل کردن آں مشکل بود

میرزا آفتاب طہرانی سے ۔ یا یہ شعر مصنف احرماں کو اسی کے نام سے سنائے تھے

مساں زنم کہ ہمہ کار من کو کاری است زیر مقنع من قسمہ و کار داری است

دروں پردہ عصمت کہ جائگاہ منست مسافراں صبا را اگر نہ دستواری است

جمال و سایہ خود را دریغ میدارم ز آفتاب کہ آں کوچہ گرد بازاری است

بہر سرے مدگر مقنع است کہ ما او بہر سرے رکلاہے سرائے سرداری است

ہمتہ مادسراں زیر مقنع او کہ مارویدو ولے زعصمت بکوکاری است

ترجمہ رباعی اول چونکہ تیرے چشمہ نوش یعنی لبوں سے بہت دور ہو چکا یہاں تک کہ آج میرا ہاتھ تیرے دوش تک پہونچا میں سرے کان میں موتی کے دانے دیکھ رہا ہوں میری آنکھ کا پانی شاید میرے کانوں میں ہو گیا ۔

ترجمہ رباعی دوم جب اول کے دل اسکو منع کر کے بیدلوں کی جان کا آرام بنا ۔ تو مصری اسکے شیریں ہونٹوں کے معاملہ کا دعویٰ کر رہی تھی اسی لئے تم نکڑاں اسکے منہ میں ٹھونس دی گئیں مصری نکڑیوں پر ساتی جاتی ہی)

ترجمہ اشعار (۱) میں وہ عورت ہوں کہ میرا ہر کام نیکی ہر سرے دوپٹہ کے نیچے مردکا دبدبہ اور سرداری ہے (۲) میں عصمت کے پردہ کے اندر رہتی ہوں جہاں ہوا کا بھی گزر نہیں ہو سکتا (۳) میں اپنے جمال اور اپنے سایہ کو آفتاب سے بھی چھپاتی ہوں

رہنے والی تھی شعر نہایت عمدہ کہتی تھی۔ یہ مطلع اُس سے یادگار ہے۔

شبے در منزل ما میہماں خواہی شدن یا نے　　انیس خاطر این ناتواں خواہی شدن یا نے

ترجمہ تو ایک رات ہمارے گھر مہمان ہونا چاہتا ہے یا نہیں۔ اس ناتوان کے دل کا انیس ہونا چاہتا ہے یا نہیں۔

تذکرہ مراۃ الخیال کا مُصنّف لکھتا ہے کہ یہ شاعرہ سعد حسین تھی کہ شاید اُسکا اُسوقت کوئی ہمسر نہ تھا۔

خاتون قطب الدین کرمانی کی لڑکی کا تخلّص ہے بہت عمدہ شعر کہتی تھی سعدی کی معاصر تھی سنہ ۶۹۴ھ میں انتقال کیا حسین قلی خاں کے تذکرہ میں یہ رُباعی خاتون کے نام سے لکھی ہے

بس غصّہ کہ از چشمۂ نوش تو رسید　　تا دست من امروز بدوش تو رسید

در گوش تو دانہائے دُر می بینیم　　آب چشم مگر بہ گوش تو رسید

تذکرۂ جواہر العجائب ملا فخری ہروی میں جو طہماسپ شاہ معاصر اکبر بادشاہ کے عہد میں لکھا گیا ہے اُسمیں یہ رُباعی بھی اسی کے نام سے لکھی ہوئی ہے

آں رُوز کہ در ازل نشانش کردند　　آسائش جاں بید لانش کردند

دعوئے لب نگار میکرد نبات　　زاں رُوئے بہ چوب در دہانش کردند

مثنوی

ایا طائر قدس عرش آشیاں — محو دانہ از دام این خاکداں
قفس بشکن و بال و پر باز کن — بگلگشت گلزار پرواز کن

ترجمہ بیار دل اگر میرے عمل کے پیچھے روتا ہے تو اسکو منع مت کر کسی
نے نالہ سے عرس کو منع نہیں کیا ہے (۲) محو بیچارہ کے درد کا علاج وہ جانتا
ہے اور جان کر تغافل کرتا ہے (ترجمہ مثنوی) حصوار ہوائے طائر عرش آشیاں۔
اس خاکداں سے دانہ مت ڈھونڈھ (۲) قفس کو توڑدے اور پر کھولدے۔ اور
گلزار کی گلگشت میں پرواز کر

حاجیہ۔ یہ ایرانی شاعرہ فتح علی شاہ قاچار کی حرم محترم تھی نہایت نیک مزاج
اور خوش گو تھی م اسکا کلام یہ ہے اکثر نعت کہتی تھی۔

طواف کعبہ در احاجیہ میسر شد — خدا زیارت طیبہ کجوں نصیب

ترجمہ اے حاجیہ مجھے کعبہ کا طواف میسر ہوگیا اب خدا طیبہ کی
زیارت نصیب کرے۔

ردیف خا معجمہ

خان زادہ محمد النساء نام تھا امیر یادگار خاں کی لڑکی تھی تبریز کی

چشم ہر کس صبحدم افتد بروے آں صنم | روز او تا شام باشد ہمچو نام و شام عید
ماہ نو ہر کس بہ بیند بر رُخ آں ماہ رو | ماہ کامل بگذرد او را بہ شادی بیگماں
سرت گردم کجا بودی تو امروز | وصالت شد مرا عید دل افروز

ترجمہ۔ میرے دل کے نگینہ پر تیری صورت جاں فزا نقش ہے اور میری زبان کا ورد رات دن تیرا نام ہے (۲) یہ مصرع عجیب کسی عقلمند نے کیا خوب کہا ہے۔ دیوانہ رہ کر تیرا غم دو کے کھائیں (۳) صبح کے وقت جو کوئی اُسکو دیکھتا ہے اُسکا دن صبح سے شام تک نام و روز عید کی طرح گزرتا ہے (۴) شروع ماہ میں جو کوئی اُس ماہ کا مُنھ دیکھتا ہے تمام مہینہ اُس کا خوشی کے ساتھ گزرتا ہے (۵) تیرے قربان تو آج کہاں تھا تیرا وصال میرے لئے عید ہو گیا۔

حیاتی بیگم۔ نور علی شاہ صوفی کی اہلیہ تھی۔ شعر کہتی تھی اور خوب خوب کہتی تھی۔ افسوس ہی کہ اِس شاعرہ کا مفصل حال سکونت وغیرہ کا مجھے معلوم نہو سکا ایک قلمی بیاض سے یہ شعر ملے۔

منع دلم از فغان مکن در پے محمل | گر نالہ کسے منع نکرد است جرس را
چارۂ دردِ من بیچارہ را | داند و عمداً تغافل میکند

رادہ رُسوا ہونا چاہیئے تھا اپنی عمر کے دور میں جسے کبھی تجھ سے ایک بات بھی نہیں سُنی اگر وہ کوئی گلہ کرے تو تجھے اُسے شرمندہ ہونا چاہیئے

حسینہ۔ تخلص اور حسینہ بیگم نام ہے مصنف تذکرہ اختر ناماں کی والدہ ماجدہ کا اکثر اُردو اور کبھی کبھی فارسی کا شعر بھی کہتی تھیں مگر جو کچھ کہتی تھیں چند روز کے بعد خود ہی اُس کلام کو ضایع کر دیتیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ میں صرف طریق تفنن طبع شعر کہتی ہوں مجھے اس سے کوئی فائدہ یا شہرت مقصود نہیں ہے۔ بھوپال میں انتقال کیا۔ اور وہیں شہر کے باہر مغرب کیطرف قلعہ کی فصیل کے پاس محمد علی شاہ کے تکیہ میں مدفون ہیں۔ اور سرلوح مزار پر یہ شعر جو اُنکے شوہر کے ہیں لکھے ہیں۔

چوں حسینہ بیگم عفت سرشت	رفت از دنیائے فانی بار بہشت
جست عباس حزیں تاریخ او	ماد ب فرمود وصول بہشت
بر سرلوح مزار پاک آں	ہاد حلی وحتتی بد نوشت
	۱۲۴۹ھ

یہ پانچ شعر اس صحیفہ سے یادگار ہیں

نقش بگکس دلم صورت حال پردہ دست	در در با لم بود زدوستان نام تو
این مصرع عجب چو تو گمت قاطلے	دیوانہ باش تا غم تو دیگران خورند

ترجمہ۔ اگر معشوق سامنے ہو تو سبزہ و گل کی بہار اچھی معلوم ہوتی ہے ورنہ
ان سب میں سے ہر ایک آفت جاں ہے (۲) غنچہ کے ساتھ محبت کیا کرے۔
اور پھول سے کیا شگفتہ ہوتا ہے۔ جو دل جدائی کے کانٹوں سے خون ہو گیا ہے
(۳) اُس کی زلف دلاویز کی باتیں آج کی رات مجھ سے مت پوچھ میرا دل بہت
پریشان ہے (۴) اے حجابی شعر مت کہہ معشوقوں کے نزدیک ہزار بیت اور
غزل سب یکساں ہیں۔

اسی غزل میں یہ شعر خوب کہا ہے۔

مراں بخواریم اے باغباں گلشن خویش کہ پنج روز دگر گل بہ خاک یکساں است

ترجمہ۔ اے باغباں اپنے باغ سے مجھے خواری کے ساتھ نہ نکال۔ کہ
پانچ دن بعد پھول اور خاک یکساں ہو جائینگے

حجابی جرباد قانیہ۔ ایران کی ایک شاعرہ تھی بہت عمدہ شعر کہتی
تھی وہ شعر مل سکے ہیں حاضر ہیں۔

حفظ ناموس تو شد مانع رسوائی من ورنہ مجنون تو رسوا تر از یں مائل ست
بعمر خویش کسے کز تو یک سخن نشنود اگر کند گلہ از تو شرمسار تو نیست

ترجمہ (۱) تیرا حفظ ناموس میری رسوائی کا مانع ہوا۔ ورنہ تیرا مجنوں اس سے

ترجمہ۔ اے میرے کماں ابرو مجھ ناتواں لاکش کے لئے کچھ فکر کر میرے سینہ پر ایک تیر لگا اور اسکا پیکاں آگ میں گرم کرلے

حجابی۔ استر آباد کی رہنے والی خواجہ ہادی کی لڑکی تھی نہایت حسین اور صاحب جمال تھی اور اس قدر عصمت مآب تھی کہ خلوت اور جلوت میں مُنھ پر نقاب ڈالے رہتی تھی اسی مناسبت کیوجہ سے اُسکا تخلص حجابی ہو تھا ایک شعر اُس سے یادگار ہے جو تذکرہ مرأۃ الخیال سے لکھا جاتا ہے۔

مہ جمال تو و آفتاب ہر دو یکیست ۔۔۔ خط عذار تو و مشک ناب ہر دو یکیست

ترجمہ تیرے جمال کا چاند اور آفتاب دونوں ایک ہیں۔ تیرے رخسار کا خط اور مشک خالص دونوں برابر ہیں۔

حجابی استر آبادی۔ استر آباد کی رہنے والی تھی نہایت حسین و جمیل تھی ملا ہلالی کی لڑکی تھی اور شعر گوئی میں مشاق اور شہرۂ آفاق تھی

بہار سرو و گل جوش سبزۂ جاناں است ۔۔۔ وگرنہ ہر یک ازیں حلقۂ محبت جاں است

بہ عیدِ شہر چہ سود در گل چہ گلستانہ ۔۔۔ دلے کہ خون شدہ از خار ہجراں است

رمیدیں ہر کس کہ جا طرم پریشاں است ۔۔۔ مدیست لعل و لالہ ور آں نگار امشب

مگوئے شعر حجابی کہ رو دیگراں ۔۔۔ ہزار بیت و غزل پیش جملہ یکساں است

بیدانش اگر زنست وگر مرد　　　باشد بمثل چو خار بے ورد

ترجمہ۔ مرد اور عورتوں میں سے جو عقلمند ہے۔ وہ ہر حال میں سر بلند ہے
(۲) بے عقل خواہ عورت ہو یا مرد ہو وہ بیکار اُس کانٹے کی طرح ہے جس کے پاس
گلاب نہیں ہے۔

جہانی۔ دہلی کی رہنے والی تھی۔ نہایت عمدہ شعر کہتی تھی اب ایک شعر
یادگار ہے۔

گل باغ و رخ آں غنچہ دہن ہر دو یکے است　　　قد رعنا رے وے و سرو چمن ہر دو یکے است

ترجمہ۔ باغ کے پھول اور اُس غنچہ دہن کے رخسار دونوں ایک ہیں۔
اسکا قد رعنا اور سرو چمن دونوں ایک ہیں۔

ردیف حاء حطی

حاکمی۔ یہی تخلص تھا اور غالباً یہی نام تھا۔ شہر خواف کی حاکم تھی کبھی
فکر سخن کرتی تھی۔

کماں ابروئے من فکر من زار بلاکش کن
فگن در سینہ ام تیرے دبیکانش در آتش کن

پڑھتے پڑھتے جب اس شعر پر پہونچے۔

اعتمادے نیست بر کار جہاں ۔ بلکہ بر گردوں گرداں نیز ہم

جہاں خاتون نے یہ صلوایا۔ شعر سکر بی البدیہ یہ شعر کہا

حافظا این مئی پرستی تا بکے ۔ بے زتو بیزار دوستاں نیز ہم

ترجمہ۔ اے حافظ یہ شراب خواری کب تک تجھ سے شراب بھی بیزار ہے اور شرابخواری بھی

یہ شعر بھی جہاں خاتون کا ہے۔

مصورے است کہ صورت ز آب میبارد ۔ زدرہ درہ خاک آفتاب می سازد

ترجمہ۔ ایسا مصور ہے کہ پانی سے صورتیں بناتا ہے اور ایک ایک ذرہ سے آفتاب بناتا ہے

جہاں خانم۔ ناصرالدین شاہ قاچار کی والدہ کا نام تھا بطریق تفنن طبع کبھی کبھی شعر و شاعری کی طرف متوجہ ہوتی تھیں اور جو کچھ کہتی تھیں خوب کہتی تھیں۔ کیوں نہ ہو ایک تو اہل زبان اور پھر بادشاہ وقت پھر اگر اچھا شعر نہ کہیں تو اور کون کہتا۔ مگر افسوس کہ کلام اسوقت دستیاب نہیں ہوا مجبوراً دو شعر جو اخلاقی درجہ رکھتے ہیں لکھے دیتا ہوں

از مردوزن آنکہ ہوشمند است ۔ اندر ہمہ حال سربلند است

ترجمہ: نازاسکو برقع پہنا کر باغ میں اسلئے لیجاتا ہے۔ تاکہ پھول کی خوشبو چھن چھن کر اسکے دماغ میں آئے۔ بیگم نے شعر کو بہت پسند کیا۔ مگر اس شوخی پر بیحد غصہ آیا۔ حکم دیا کہ شاعر کو کشاں کشاں سامنے لاؤ چنانچہ میاں صیدی پکڑے گئے اور سامنے لائے گئے۔ بار بار مطلع سُنا اور پانچہزار انعام دیکر شہر بدر ہونے کا حکم دیدیا۔

ایسے ہی ملک الشعراء حاجی محمد جان موسی قدسی نے جہاں آرا کے جلجانے کے متعلق ایک قصیدہ لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہی انعام جو کچھ ملا ہو۔ مگر خود جہاں آرا نے پانچہزار روپیہ اس شعر کے صلے میں انعام دئے۔

تا سر زدہ از شمع چنیں بے ادبی　　　پروانہ ز عشق شمع را سوختہ است

ترجمہ: جب کہ شمع سے یہ بے ادبی ہوئی ہے۔ پروانہ نے عشق سے شمع کو جلایا ہے۔

جہاں خاتون۔ شیراز کی رہنے والی تھی نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔ حافظ شیرازی کی معاصر تھی۔ اکثر دونوں میں باہم شاعرانہ ملاقات ہوا کرتی تھی ایکدن ملاقات کے لئے گئی تھی کہ خواجہ نے اپنی یہ غزل پڑھ کر جہاں خاتون کو سنائی

دردم از یار است و درماں نیز ہم　　　دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

نقصان ہیں۔ اور جو ہماری زبان کہتی ہے وہ سب سچ ہے (۳) ہم تیری کنہ حقیقت کو نہیں پہنچ سکتے یعنی ہمارا یقین اور گمان سب ہیچ ہیں۔

شاہجہاں کے انتقال پر جہاں آرا نے یہ پُر درد مرثیہ کہا

اے آفتاب من کہ شدی غائب از نظر ۔ آیا شب فراق ترا ہم بود سحر

اے بادشاہ عالم و اے قبلہ جہاں ۔ بکشائے چشم رحمت و حال من نگر

عالم چنیں ز غصہ بماتم بود بدست ۔ سوزم چو شمع در غم و دودم رود بسر

جہاں آرا کے دربار سے اکثر نامی شعرا انعام و اکرام پاتے رہتے تھے اور بقدر لیاقت سب اسکے جود و کرم سے بہرہ مند تھے چنانچہ محمد علی ماہر اکبرآبادی نے جہاں آرا کی تعریف میں مثنوی کہی اور پیش کی تو صرف اس شعر کے صلے میں اس فیاض اور سخی بیگم نے پانچسو روپے انعام دیے۔

ز ذات او صفات کردگار است ۔ کہ خود پنہاں و فیضش آشکار است

ترجمہ۔ اسکی ذات میں صفات خداوندی پائی جاتی ہیں یعنی وہ خود چھپی ہوئی ہے اور اسکا فیض ظاہر ہے ایسے ہی ایک مرتبہ جہاں آرا بیگم باغ کی سیر کے لئے نکلی تو میر صیدی طہرانی نے یہ مشہور مطلع کہا

برقع برخ افگندہ برد ناز بباغش ۔ تا نکہت گل بیختہ آید بدماغش

کمال دلچسپی رکھتی تھی۔ نثر میں اسکی تصنیف مونس الارواح ہے اسیلئے اپنا سیاحت نامہ بھی مرتب کیا ہے۔ مشہور ہے کہ اُسنے ایک مثنوی بھی لکھی مگر وہ مل نہیں سکتی۔ اور اب تقریباً نا پید ہے۔ بہ یقین یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُس کا دیوان غزلیات مُرتب ہوا تھا یا نہیں مگر چند شعر اب بھی یادگار ہیں جو درج کرتا ہوں۔

رُباعی

آنجا کہ کمال کبریائے تو بود
عالم نمے از بحر عطائے تو بود

ما را چہ حد حمد و ثنائے تو بود،
ہم حمد و ثنائے تو سزائے تو بود

ترجمہ۔ جہاں کہ تیری کمال کبریائی ہو۔ تمام عالم اسکے دریائے بخشش سے ایک نم ہے (۲) ہمکو تیری حمد اور ثنا کی کیا مجال ہے۔ بس تیری حمد و ثنا تیری ہی حمد و ثنا کی لائق ہے

اے بر صفت بیان ما ہمہ ہیچ
ہمہ آن تو آن ما ہمہ، ہیچ

ہر چہ بنید خیال ما ہمہ نقص
ہر چہ گوید زبان ما ہمہ ہیچ

ما بہ کنہ حقیقت نرسیم
اے یقین و گمان ما ہمہ ہیچ

ترجمہ۔ اے وہ ذات کہ تیرے وصف میں ہمارا بیان بیکار ہے۔ تمام تیری ملک ہے اور ہماری ملک کچھ نہیں (۲) جو کچھ ہمارا خیال دیکھتا ہے وہ سب

زندگی بھر جہاں آرا نہایت موثر طریقہ سے بسر کرتی رہی اور ہمیشہ عالمگیر کی
مصاحب خاص یا در مشیر کی حیثیت سے رہی ۱۰۹۲ھ مطابق ۱۶ اپریل ۱۶۸۱ء
میں ستر برس کی عمر میں جہاں آرا نے وفات پائی اور دہلی میں حضرت امیر خسروؒ
کے مزار کے قریب مدفون ہوئی۔ اسکا مقبرہ سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے گو اس کے گرد
کی جالیاں سفید نقاشی سے کاٹی گئی ہیں اُس پر کوئی چھت نہیں ہے اور اس طرح
سے گویا آسمانی برکات اُس پر ہمیشہ بعد مرگ بھی نازل ہوتے ہیں۔ اسکے لوح مزار
پر خود اسی کا یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

هو الحی القیوم

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا
کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

جہاں آرا نہایت نیک مزاج متدین اور پارسا تھی۔ صوفیائے کرام کے
ملفوظات سے اسے بہت شوق تھا اُسے اپنی شادی نہیں کی مگر عمر بھر نہایت
پارسائی کے ساتھ زندگی بسر کی اگرچہ مغربی مصنفوں نے اُسکے شادی نہ کرنے
کی بنا پر اُس پر بہت سے الزام لگائے ہیں مگر ان میں تہمت کے سوا اور کوئی اصلیت نہیں
وہ نہایت علم دوست تھی اسکو لغویات سے نفرت قطعی تھی شعر و شاعری سے

پیش کئے جنکے جلدوں اور صلہ میں شاہجہاں نے تقریبًا بیس ۲۰ لاکھ روپیہ کے زیورات اُس کو عطا کئے۔

جب ۱۰۴۰ھ مطابق ۱۶۳۱ء میں ممتاز محل راہی ملک بقا ہوئی تو شاہجہاں نے ازراہ عنایت وہ اختیارات جو اُسکو حاصل تھے جہاں آرا کے سپرد کر دئے۔

جہاں آرا بیگم کو کتب اخلاق و تصوف سے بہت گہری دلچسپی تھی وہ اپنا زیادہ وقت قرآن کی شریف تلاوت میں صرف کیا کرتی تھی۔ باقی وقت خانگی ذمہ داریوں کی ادائگی میں صرف ہوتا تھا۔ یکایک ۱۰۵۴ھ مطابق ۱۶۴۴ء کو جب حرم شاہی میں ایک جشن نہایت تزک و احتشام سے کیا گیا تھا تو اتفاقًا ایک موم بتی سے اُسکے آنچل میں آگ لگ گئی جس سے زخمی ہوکر عرصہ تک بیمار رہی۔ اچھے ہونے پر بادشاہ نے اسکو بہت سے انعامات شاہی سے سرفراز کیا۔ جسکی تفصیل اسکی خاص سوانحعمری میں موجود ہے۔ جب شاہ جہاں نظر بند ہوا تو حین حیات تک جہاں آرا اسکی خدمت میں مشغول رہی بلکہ اور بھی عجیب و غریب کام جو اُسنے کیا وہ یہ تھا کہ عالمگیر کے لئے شاہجہاں سے اُسکے قصوروں کا معافی نامہ لکھوایا۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی پر بھی اُسکا اعزاز وہی رہا جو شاہجہاں کے سامنے تھا۔ خود عالمگیر نے بھی اُسکو شہزادہ نقاب بیگم خطاب دیا اور ایک لاکھ اشرفیاں مرحمت کیں اسکے بعد

بُرحارعم برست رگلر ارحمت ما آہم حلیہ در حگر محت ما

ترجمہ ہمارے لعیسہ کے باغ میں ٹم کے حار کے سوا اور کچھ اگا ہی ہیں اور وہ کانٹا بھی ہمارے ہی حگر محت لحت میں چبھا۔

جہاں آرا بیگم۔ ہندوستان کے مشہور و معروف بادشاہ شاہجہاں کی بیٹی اور اورنگ زیب عالمگیر کی حقیقی بہن تھی یہ عفیفہ ممتاز محل نامور بیگم کے بطن سے تاریخ ۱۲ ر صفر المظفر ۱۰۲۳ھ مطابق یکم اپریل ۱۶۱۴ء ایسے وقت میں پیدا ہوئی۔ جبکہ اسکا نامور باپ شاہجہاں شاہزادہ حرم کی حیثیت سے رانا امر سنگھ والی اودے پور سے حکم شاہی کی موجب معرکہ آرا تھا۔ جسوقت جہاں آرا پیدا ہوئی وہی رانا شاہجہاں کی فتح اور کامیابی کا تھا اس مولود کو سب نے نہایت مسعود خیال کیا۔ اور نہایت خوشیاں منائی گئیں۔ اور اسکو اسکے دادا شاہنشاہ نورالدین جہانگیر کے پاس بھیجدیا گیا سن شعور پر پہونچتے ہی اسکی تعلیم و تربیت شروع ہوئی اور نہایت اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم دلائی گئی جہاں آرا علم عربی فارسی اور خط قرآن قرات و تجوید خوشنویسی وغیرہ وغیرہ ہر ایک بات سے کوئی بہرہ تھی ۱۰۳۷ھ میں جہاں آرا کی عمر تقریباً ۱۴ برس کی تھی ہی دو سال بعد کہ شاہجہاں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ جہاں آرا بھی ہدایا کے طرق پر مدرد سیار

مجھے طعنے دیگا (۲) راتوں کو تو میری طرف پشت پھیر کر سوتا ہے۔ بس ہٹ اس پشت سے میں عاجز ہو گئی۔ میرا جی بھر گیا۔

ردیف جیم

جانان بیگم۔ عبدالرحیم خانخانان کی لڑکی تھی۔ نہایت حسین۔ وخوبصورت ذکی اور ذہین تھی۔ جہانگیر نے جب اسکے حسن عالمگیر کا شہرہ سنا تو نادیدہ عاشق ہو گیا۔ اور منگنی کا پیام دیا۔ مگر خانخاناں کو یہ منظور نہ تھا۔ اسواسطے وہ بہت رنجیدہ ہوا۔ اور لڑکی کے دانت اُکھڑوا اور سر منڈوا کر دربار میں حاضر کر دیا۔ بادشاہ کو بیحد افسوس ہوا۔ اور انعام واکرام دے کر رخصت کر دیا۔ ۱۰۷۰ھ میں انتقال کیا۔ یہ شعر اُسی کا ہے۔

عاشق ز خلق عشق تو پنہاں چساں کند　　پیداست از دو چشم ترش خوں گریستن

ترجمہ۔ عاشق دنیا سے تیرا عشق کیونکر چھپائے۔ اُسکی دونوں چشم تر سے خون رونا ظاہر ہوتا ہے۔

جمیلہ۔ صفاہاں کی رہنے والی ایک خوش فکر عورت تھی۔ صرف ایک شعر اُس سے یادگار ہے۔

یاراں ستم پروریے کشت مرا   کاواک شدہ چوں مار روتیت مرا
گرتیت نسو رے ادمے جواں کم   بیدار کند بصر سہ انگشت مرا

ترجمہ۔ (۱) یار و مجھے ایک بڑھیا عورت کے ستم نے مار ڈالا۔ میری کمر سانپ کی طرح اُس کی وجہ سے خالی ہو گئی ہے (۲) اگر دم بھر اُسکی طرف پیٹھ کر کے لیٹتا ہوں تو اُنگلی کے ٹہوکے دے دے کر مجھے جگا دیتی ہے

خاص جواں تو لی آتوں کھلاک ہو کے والی تھی دو رُا اسے جانا دیا

ہم جا ئگی شستہ گے کشت مرا   روزی سودار و سحر پیت مرا
وت نہ جانکہ پا توا دہ برداشت   بہتر لودار پیت د صد مشت مرا

ترجمہ (۱) ایک ہیں مارد کے پاس سونے نے مجھے مار ڈالا سوائے پیٹھ کے اور کچھ مجھے اُس سے روزی نہیں (۲) اتنی بھی قوت نہیں کہ پاؤں اٹھا سکے پیٹ سے دوسرے لئے دوستو گھونسے بہتر ہیں

مگر جواہر العجائب میں یہ باعی یوں درج ہے۔

مُلا ہمہ مار و عمر وات کشت مرا   تا چند رنی طعنہ انگشت مرا
تنہا ہمہ پیت سوے من جاں کسی   گر ار کہ دل گرفت از پیت مرا

ترجمہ (۱) مُلا تیرے مار و عمرو نے مجھے مار ڈالا کب تک انگلی مٹکا مٹکا کر

توتی - ایک ایرانی پردہ نشین خاتون کا تخلص تھا۔ مرزا کمال الدین سنجر قزوینی مرزا سپہر لسان الملک مولف ناسخ التواریخ کی زبانی صاحب تذکرہ اختر تاباں نقل کرتے ہیں کہ توتی کے شوہر۔ امرد پرست ایرانی مذاق کے بزرگ تھے۔ ایک لڑکے پر ایسے فریفتہ تھے کہ بیچاری توتی کی طرف کبھی ملتفت ہی نہ ہوتے تھے۔ توتی اپنے شوہر کی اس نامعقول حرکت سے عاجز تھی ایک دن جان پر کھیل کر یہ رباعی کہی اور شوہر کے حوالے کی۔

آں شوخ کہ ہست حسن عالمگیرش | یارب چہ شود شبے بخوابم زیرش
اے خواجہ بیا تا من و تو صلح کنیم | تو با... نش بساز و من با... ش

شوہر کے دل پر یہ رباعی سن کر ایک چوٹ لگی سخت تنبہ ہوا اور اسی دن سے اپنی بدنما حرکت کو چھوڑ کر توتی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اور عمر بھر ایسی خلاف فطرت حرکت سے مجتنب رہا۔

توتی آتون - ملا بقائی کی بیوی تھی۔ ملا بقائی امیر علی شیر کا مصاحب اور مقرب تھا۔ نہایت ظریف اور بذلہ سنج آدمی تھا۔ میاں بیوی میں اکثر مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ اور ایک دوسرے پر چوٹیں چلا کرتے تھے ایک دن بقائی نے یہ رباعی کہی اور چھیڑ کے لئے توتی آتون کے روبرو پڑھی۔

ترجمہ :- اے بادِ صبا میرے قالبِ شوق میں تو سراسر جان معلوم ہوتی ہے
میں تیرے قرباں جاؤں شاید تو اسکی گلی میں بہت چکر لگاتی ہے

ردیف تائے فوقانی

تصویر۔ مرشدآباد کی رہنے والی تھی ملقب جان نام تھا اردو کی شاعرہ بھی
میر خوش عظیم آبادی نے مصنف تذکرہ اختر تاباں سے بیان کیا کہ اگرچہ یہ صرف
اردو میں شعر کہتی تھی مگر ایک شعر فارسی بھی اسی کا ہے

فتنہ رائی مست شناختہ ام　　　　دلربائی مست شناختہ ام

ترجمہ۔ تو بڑا فتنہ پرداز ہے میں نے تجھے خوب سمجھ لیا ہے۔ تو بڑا دلربا ہے
میں نے تجھے پہچان لیا ہے۔ میر خوش عظیم آبادی کا بیان ہے کہ ایک روز
یہ اپنے بچہ کو گود میں لئے گھر کے صحن میں کھڑی تھی اور کھلا رہی تھی میر عشقی
جو اس کے شوہر تھے باہر سے آئے اور اس حال میں اسکو دیکھ کر یہ مصرع پڑھا

دیدم مہ وش آں مہ طلعے پری زادے

تصویر سے رہا نہ گیا اور فوراً دوسرا مصرع لگا کر شوہر کے سامنے پڑھا۔ عجیب
عرس مصرع کہا ہے ع جوں مصرعے کہ باشد بود مسرا دے

روزیکہ طرب بالب وخال تو کنیم　　جاں تازہ بفرخندہ جمال تو کنیم
ایں جرم کہ زندہ ماندہ ام بے رخ تو　　درگردن امید وصال تو کنیم

ترجمہ (۱) جس روز کہ تیرے لب اور خال کے دیکھنے سے خوشی ہوگی۔ ہم تیرے جمال کو دیکھ کر اپنی جان کو تازہ کریں گے (۲) یہ جرم کہ ہم بغیر تیرے دیکھے زندہ رہے۔ تیری امید وصل کے سر ڈالیں گے۔

بنو بیگم دہلی کی رہنے والی تھی۔ نہایت ذکی اور ذہین تھی۔ نہایت رنگین شعر کہتی تھی۔ ایک یہ شعر اُس سے یادگار ہے۔

گر میسر شود آں رُوئے چو خورشید مرا　　بادشاہی چہ کہ دعوائے خدائی بکنم

ترجمہ (۱) اگر میرا معشوق مجھے ملجائے تو بادشاہی تو کیا چیز ہے میں خدائی کا دعوٰے بھی نہ کروں۔

ردیف بائے فارسی

پری بیگم نیشاپور کی رہنے والی تھی کلام نہایت مست ہوتا تھا۔ ایک ہی شعر تذکرۂ اختر تاباں سے ملسکا جو درج ہے۔

سراسر جانی اے باد صبا در قالب شو تم　　سرت گردم مگر در کوے او بسیار میگردی

آسے کہ فلک ملک حکاندمارا ۔۔۔ سرگشتہ بہ بحر و بر دوانداِمارا
اے کاش برسرے رساندمارا ۔۔۔ کز ہستی خود بار رہاندمارا

ترجمہ (۱) آسمان وہ پانی جو ہمارے لبوں پر ٹپکتا ہے ہمکو سرگشتہ کرکے جنگلوں اور دریاؤں میں پھراتا ہے (۲) کاش ہمکو ایسی جگہ پہونچادے کہ ہم اپنی ہستی سے چھوٹ جائیں۔

بیگی کبھی کبھی شراب بھی پیا کرتی تھی۔ مگر ایک وقت آیا کہ وہ خود تشنگی اور شرابخواری سے توبہ کرلی۔ ایک مرتبہ مرزا بدیع الزماں کی مجلس عیش میں سرگرم تھی بیگی بھی وہاں موجود تھی۔ شراب کا دور چل رہا تھا بدیع الزماں شراب پی رہے تھے مگر بیگی خاموش تھی اسی وقت یہ مطلع نظم کرکے میرزائے مذکور کو سنایا

من اگر توبہ زسکر دوام اے زہری ۔۔۔ تو خود ایں توبہ کردی کہ مرا ایسے دہی

اسی شعر کا گویا مرزا غالب نے ترجمہ کیا ہے

میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں ۔۔۔ گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

بنت حسام الدین سالار کی بیٹی تھی شاہ عباس صفوی کے زمانہ کی ایک مشہور شاعرہ نغز گفتار تھی دو شعر اُس سے یادگار ہیں جو درج تذکرہ کئے جاتے ہیں باقی کلام ضایع ہوگیا نہیں ملتا۔

روم بہ باغ و ز نرگس دو دیدہ وام کنم　　کہ تا نظارہ آں سرو خوش خرام کنم

ترجمہ۔ میں باغ میں جاؤں اور جاکر نرگس سے دو آنکھیں قرض لوں۔ تاکہ اُس سروِ خوشخرام کو دیکھ سکوں۔

بیدلی۔ ناچنے گانے میں مہارت تامہ رکھتی تھی۔ ایران کے ایک قصبہ نہایاں کی رہنے والی تھی۔ ایک شعر اسکی نغمہ سنجی کا یادگار ہے

چشم پُر خوں و خیال خام آں دلبر درو　　مجمر پر آتش است و پارۂ عنبر درو

ترجمہ۔ میری آنکھ میں خون بھرا ہوا ہے۔ اور اُس دلبر کا خیال خام اس میں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آگ کی بھری ہوئی انگیٹھی میں عنبر کا ٹکڑا کوئی ڈالدیتا ہے۔

بیگی۔ تخلّص ہے آقا بیگی نام تھا۔ آقا جلایر شاید کوئی معزز خطاب یا نسبی لقب نام کے ساتھ شامل تھا۔ امیر علی جلایر کی بیٹی تھی۔ امیر درویش علی کتاب دار حاکم قبتہ الاسلام بلخ برادر امیر نظام الدین علی شیر کی اہلیہ تھی ہرات میں نہایت عزّت و حشمت کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی۔ سلطان حسین بایقرا خاں کے مقربانِ خاص میں تھی۔ خود بھی شعرائے معاصر کے وظیفے اور تنخواہیں مقرّر کر رکھی تھیں۔ اُسکی یہ رباعی ملتی ہے۔

نکالے میں مشتاق دلربائی میں شہرۂ آفاق تھی آخر میں مدلائے کریمہ نے ہدایت دی اور تمام مسہیات سے توبہ کرکے گوشۂ قناعت اختیار کرلیا دروازہ بند کئے رہتی تھی اور کوئی شخص آنے نہ پاتا تھا عہد جہانگیر میں زندہ تھی۔ ایک شعر اُسکا لکھتا ہے جو درج کرتا ہوں ؎

موبمو در نالہ ام گوئی کہ اُستاد ازل رشتۂ جانم بجائے تار در طنبور بست

ترجمہ میں سر بسر نالہ وزاری سی ہوئی ہوں۔ گویا کہ اُستاد ازل نے میرے رشتۂ جاں کو بجائے تار کے طنبور میں باندھا ہے۔

بلیغہ۔ تبریز کی رہنے والی نہایت طلیق اللسان اور فصیح البیان شاعرہ تھی یہ مطلع اُسی کا ہے۔

شب سگ کویت بجائیکہ پہلو میزد رو در حد رشید آں زمیں را بوسہ ہا میزد

ترجمہ۔ رات کو تیری گلی کا کُتا جس جگہ کہ پہلو رکھتا ہے صبح کے وقت سُورج اُس زمیں کے بوسے لیتا ہے

بیدلی۔ یہ شاعرہ ہرات کی رہنے والی خواجہ عبداللہ کی بیوی تھی خواجہ عبداللہ ہرات کا رہنے والا خواجہ حکیم کا بیٹا تھا مشہور ومعروف آدمی تھا اس شاعرہ کا صرف ایک مطلع اب یادگار ہے

ہر کجا آں مہ باں زلف پریشاں بگزرد	ہر کہ کفر زلف او بیند زایماں بگزرد
اے محباں بو العجب دردیست درد عاشقی	ہر کہ دامن گیر دایں درد شں درماں بگزرد
ہر کہ عاشق شد از و دیگر سر و ساماں مجو	زانکہ عاشق ترک سر گوید ز ساماں بگزرد
در فراقش دوستی گرید چو ابر نو بہار	گریہ زارش چو بیند ابر گریاں بگزرد

ترجمہ (۱) تیری دوستی کا نتیجہ آخر جدائی تھا۔ ہائے دہائی ہے میری تیرے ساتھ یہ کیا اور کیسی آشنائی تھی (۲) جہاں کہیں میرا معشوق اپنی زلف پریشاں کیئے ہوئے گزرتا ہے۔ جو اسکی زلف کے کفر کو دیکھتا ہے۔ ایمان کو چھوڑ دیتا ہے (۳) اے دوستو عاشقی کا درد عجب درد ہے۔ یہ درد جسکا دامن پکڑ لیتا ہے وہ علاج سے درگزرتا ہے (۴) جو کوئی عاشق ہوا پھر سر و سامان کی اُمید نہ رکھو۔ کیونکہ عاشق اپنے سر اور سامان کو چھوڑ دیتا ہے (۵) اُسکی جدائی میں جو دوست ابر نو بہار کی طرح روتا ہے۔ تو جب اسکا رونا دیکھتا ہی ابر بھی روتا ہوا گزرتا ہے۔

(ردیف ب)

بزرگی۔ کشمیر جنت نظیر کے خطّہ کی رہنے والی ایک طوائف تھی۔ گانے

لھید یا آغا بیگہ کا دیوان اگرچہ بڑا ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اسقدر شاعر دوست شاعرہ خود بھی کیسی باکمال ہوگی مگر افسوس کہ آج اِن چند اشعار کے سوا اور اُسکے کلام کا پتہ نہیں آہ۔

بس نامہ دولت کیقباد ورق بر ورق ہر طرف برد باد

شعر یہ ہیں۔

آبادان ملک کہ از رشتۂ جان تار زند وای برعلے کہ ہر دم مسحور دم تار زند

نتوان دید رخ خوب ترا ماہ بماہ زانکہ آسان نتوان کرد بخورشید نگاہ

ترجمہ۔ اے مراد ہے اُس جال سے جس سے میار رشتہ جان بٹھا جاتا ہے افسوس ہے اُس لئے کہ ہر وقت تیرا اُس سے ایسا جوڑ ملتی ہو

(۲) تیرے خوبصورت رخسارہ کو ماہ بماہ نہیں دیکھا جاسکتا اسواسطے کہ آفتاب کو آسانی کے ساتھ دیکھ نہیں سکتے۔

آقا دوست۔ قیام دولتیس کی لڑکی تھی سردار کی رہنے والی تھی نہایت فاضل تھی خصوصیت سے علم عروض و قوافی میں بہت کامل دستگاہ حاصل تھی۔ آج صرف چند شعر اُس سے یادگار ہیں

ز آشنائی تو عاقبت جدائی بود فغان کہ با تو مرا این چہ آشنائی بود

آقا بیگہ اباق۔ سلطان حسین جسکی علم دوستی شہرۂ آفاق تھی اور جسکے امرا میں امیر علی شیر ایک علم پرور علم دوست امیر تھا۔ اُسی کے زمانہ میں یہ شاعرہ شہر ہرات میں رہتی تھی۔ نہایت متمول اور ذی رُتبہ تھی۔ خاص و عام کی حاجت برآری اس کا شعار تھا۔ تمام سامان ظاہری اور جائداد و املاک اسکے پاس تھی بڑے بڑے ادیبوں اور فاضلوں کا مجمع رہتا تھا اور اُسنے اپنی علوہمتی سے سب کے وظائف اور تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔ چنانچہ خواجہ آصفی کی بھی تنخواہ مقرر تھی یہ اُس زمانہ کے ایک مشہور و معروف شاعر تھے۔ ایک مرتبہ اتفاق سے انکی تنخواہ پہونچنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ اُنھوں نے کچھ دن تک انتظار کیا۔ جب انتظار سے کوئی کام نہ چلا تو یہ قطعہ آقا بیگہ کو لکھ بھیجا۔

ایا عروس خطابخش جُرم پوش بگو | کہ کے وظیفۂ ما را قرار خواہی داد
بوقت غلّہ مرا گفتۂ کہ باز دہم | سرم فدائے درت چند بار خواہی داد

ترجمہ۔ اے خطابخش اور جُرم پُوش دُلھن یہ بتا کہ ہمارا وظیفہ کب قرار دیگی۔ تو نے غلّہ دیتے وقت کہا تھا کہ پھر دیا جائے گا۔ میں تیرے قربان کتنے مرتبہ تو دیگی۔

آقا بیگہ یہ قطعہ پڑھ کر ہنسی۔ اور وظیفہ مقررہ معہ کچھ زائد سامان وغیرہ کے

سوختم از آتش غم یا صحابا کے زمع ۔۔۔ میرلی را آتشم دامن رو حاموش باش
تا حشر نویسد اگر می ر تسود ۔۔۔ لے دفتر حسن تو ر طومار ورا قم

ترجمہ (۱) وہ بڑا اچھا جو تیری گلی میں رہتا ہے۔ کیونکہ تیری گلی کی آب و ہوا بڑی اچھی ہے (۲) میرا معشوق سفر میں گیا سا اور میرا دل اسکے ناقہ کا جرس بنکر اسکے ساتھ گیا ہے۔ کیوں ہو لیہ سم ہے ہر ناقہ کے ساتھ جرس ہوا کرتا ہے (۳) میں غم کی آگ سے جل گیا۔ اے ناصح تو کب تک منع کر کر کے میری آگ کو بھڑکا ئیگا۔ بس بہتر یہی ہے کہ جا خاموش رہ (۴) اگر حشر تک لکھتے رہیں تو بھی لکھا نہ جائیگا نہ تیرے حسن کا دفتر اور نہ میری ابی کا طومار

آغا کوچک ۔ سیف اللہ مرزا قاچار کی صبیہ تھی کبھی کبھی شعر کہتی تھی۔ یہ رباعی اسی کی ہے

گویند بہشت و حور و کوثر باقی است ۔۔۔ در روز جزا دوزخ و محشر باقی است
دوزخ چہ بود بغض علی و آلش ۔۔۔ جنت بہ محبت پیمبر باقی است

ترجمہ (۱) کہتے ہیں کہ بہشت اور حور اور کوثر باقی رہیں گے روز جزا میں دوزخ اور محشر باقی رہیں گے (۲) دوزخ کیا چیز ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آپ کی اولاد امجاد سے بغض رکھنا اور جنت پیمبر کی محبت کیوجہ سے باقی ہے

ہو گیا۔

آرزوہی۔ سمرقند کی رہنے والی ایک شاعرہ تھی تذکرہ مراۃ الخیال سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت حسین اور صاحب جمال تھی شعر نہایت عمدہ کہتی تھی اکثر نازک نازک مضامین نظم کرتی تھی اور معاصرین سے خراج تحسین وصول کرتی تھی اسکا یہ مطلع نہایت مشہور ہے

شدیم خاک رہت گر بدرد ما نرسی　　چناں رویم کہ دیگر بگرد ما نرسی

ترجمہ۔ ہم تیری راہ میں خاک ہو گئے ہیں اگر تو ہمارے درد کو نہ پہونچا تو ہم ایسے جائینگے کہ پھر تو ہماری گرد کو بھی نہ پہونچ سکیگا۔

ماند داغ عشق او بر جانم از ہر آرزو　　آرزو سوزست عشق من سراسر آرزو

ترجمہ۔ تمام آرزوؤں کے فنا ہونے پر اُسکے عشق کا داغ میری جان پر رہ گیا ہے عشق آرزو۔ سوز ہے اور میں سراپا آرزو ہوں۔

آغا باجی۔ فتح علی شاہ قاچار گزشتہ شاہ ایران کی حرم محترم تھیں۔ شعر کہتی تھیں۔ اور خوب کہتی تھیں چند شعر جو مجھے ملے درج کرتا ہوں۔

حرم آں کو بہ سر کوئے تو جائے دارد　　کہ سر کوئے تو خوش آب و ہوائے دارد

بسفر رفت و دلم شد جرس ناقہ او　　رسم انیست کہ ہر ناقہ درائے دارد

اگر نتم دامن صحرا شدم ہم میتبۂ مجنوں   سبق آموز گشتم دیں عشق میوائی را

ترجمہ (۱) اپنے دل سے تمام نقش عدم مٹائے۔ فرش حرم کو دوسرے بتوں یا غیروں کے لیے بیٹنے کی جگہ بنا۔

اسی مضمون کا ایک شعر تذکرۂ حرارہ حامرۂ مولفۂ مولانا علام علی آزاد میں ایک مرتبہ دیکھا تھا جو اتنک یاد ہے۔

غیر حق را میدہی رہ در حریم دل چرا   میکنی بیگانہ را مہماں ایں منزل چرا

ترجمہ

غیر حق کو راہ دیتا ہے حریم دل میں کیوں   کرتا ہے بیگانہ کو مہماں اس منزل میں کیوں

ترجمہ (۲) عقل کا سرمایہ حاصل کر کہیں ایسا ہو کہ قضا تیرے سر پر تیر تلوار کھینچ لے (۳) میں نے آہ و نالہ کرکے وحشی نگاہوں کو اپنا شکار کر لیا اپنے حد کے درسے میں نے ٹیڑھی ٹوپی والے معشوقوں کو اپنا تابعدار کر لیا (۴) صبح کے وقت جب میں نے سربائی کی شراب پی تو ایک جام کے بدلے اپنے جامۂ پارسائی کو گرو کر دیا (۵) میں حیرت کے خلوت خانہ میں آئینوں کا ہمدم ہو گیا اور زہد کے ساغر اور پیمانۂ ریائی کو توڑ ڈالا (۶) میں جنگل میں نکل گیا اور مجنوں کا ہم میتبہ ہو گیا اور میوائی کے عشق کا سبق پڑھا یو لا

ردیف الف

آرام۔ کسی بادشاہ ہندوستان کے محلات میں سے تھیں۔ مگر گردش زمانہ کو دیکھئے اتنا مٹا دیا کہ آج یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کونسا ذیجاہ تھا جسکے شبستان اقبال ہیں دل آرام جو اس نازک خیال کا نام ہے۔ جلوہ افروز تھی۔ بعض کا قیاس ہے کہ رنگیلے مزاج بادشاہ نورالدین جہانگیر کی حرم محترم تھیں مگر یہ بات پایۂ تحقیق کو نہیں پہونچتی۔ خدا بہتر جاننے والا ہے۔ آج ہمارے سامنے صرف یہ چند شعر موجود ہیں جو نقل کئے جاتے ہیں۔

محواز دل خود ساز ہمہ نقش عدم را — منزل گہ اغیار مکن فرش حرم را
سرمایۂ عقبیٰ بکف آور کہ مبادا — تقدیر کشد بر سر تو تیغ دودم را
باہ و نالہ کردم صید خود وحشی نگاہاں را — بزور جذب کردم رام با خود کجکلاہاں را
بپوشیدم سحرگہ چوں لباسِ بے ریائی را — گرو کردم بجام مے لباس پارسائی را
شدم ہمدم بہ میخواران بخلوتخانۂ حیرت — شکستم ساغر و پیمانۂ زہد ریائی را

تذکرۂ خواتین

حصّۂ دوم

یعنی ان عورتوں کا کلام جو فارسی میں شعر کہتی تھیں

مصنفہٗ

معرورد مولانا عبدالباری۔ آسی۔ د

باہتمام کسری داس سپرنٹنڈنٹ

مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں چھپا

دل میں میرے زخم ہے تیغ نگہ کا چارہ گر
فائدہ دے گا نہ پھاہا مرہم زنگار کا

تیر نے تیرے اگر چاہا نہیں ہے میرا خوں
سرخ ہے پھر کس لئے ظالم دہن سوفار کا

تپ کی شدت میں کسی مہر جبیں کا تھا خیال
جو بڑا اتنا آبلہ لب پر مثل اختر ہو گیا

دل کی بیتابی نے رسوا کر دیا آسی یہیں
تذکرہ اپنے جنوں کا اب تو گھر گھر ہو گیا

تمام شد بعونہ تعالیٰ

عبدالباری آسی

۹ر جنوری سنہ ۱۹۲۷ء

حال تیرے زار کا نزع دگر ہونے لگا حال بلبل عاشق ترلائے بسمل ہونے لگا

نہ جلوۂ حسن تیرا نور گر اے مصطفےٰ ہوتا تو دنیا میں نہ کوئی واقف نام خدا ہوتا

تصدق جاؤں میں ایسے رسول پاک کے ہر دم مری مشکل میں ہر اک بار وہ مشکل کشا ہوتا

اک فرقت میں جاناں کی مرض بڑھ رہا درد دل گر بڑھ گیا درد جگر ہونے لگا

یاسمن - یہ تخلص جمیلی نام کنیز ک سید ثناءاللہ خان کا تھا عجیب بات یہ ہے کہ صحبت مردوں سے اسکو قطعی نفرت تھا سید ثناء نے شاید اس بات کو تصنع خیال کیا اور بہ اتباع شریعت اسکی شادی ایک نہایت معقول آدمی کے ساتھ کر دی تیسرے روز بغیر کسی عارضہ اور مرض کے جان بحق تسلیم ہوئی - جسکا انشاءاللہ خان کو بڑا افسوس ہوا انھیں سے مشورہ سخن کرتی تھی -

یاد آیا مجھے گھر دیکھ کے دشت دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

سُرمہ کھلایا جو تو نے مجھے جب وہ منظور نظر یاد آیا

صبر جاتا رہا قرار کے ساتھ پر مری جان تو رہ گیا

دختر رز سے رات صحبت تھی تسبیح جی کا مگر وضو نہ گیا

یاسمیں - یہ تخلص تو من نامی ایک طوائف سہارنپور کی رہنے والی کا ہے شعر اسکے نام سے مشہور ہیں -

ہوش۔ کرنال کی ایک مجہول الحال عورت کا تخلص تھا۔ ایک شعر اسکا یادگار ہے۔

عمر انساں جسقدر بڑھ جاے ہے　　　اُتنے درجے حرص بھی بڑھ جاے ہے

یائے تحتانی

یاد۔ ایک خاتون عفت مآب خاندان تیموریہ کا تخلص تھا۔ نہایت خوبصورت اور صاحب سلیقہ تھی ۱۲۹۲ھ میں دار فانی کو چھوڑکر عالم بقا کو راہی ہوئی۔ اور یہ چند شعر یادگار چھوڑ گئی۔

عبث فکر درماں ہے اے اقربا　　　کہ اب یاد تو یاں سے چلنے کو ہے
سرانجام غسل و کفن کر رکھو　　　تن زار سے جاں نکلنے کو ہے

یاس تخلص آفتاب بیگم نام۔ فیض آباد کی رہنے والی تھیں شعر خوب خوب کہتی تھیں ملاحظہ کیجئے۔

اُڑنے وہ نخچیر یاد شوق میں بے پر لگا　　　تیر تیرا جس کسی کے اے پری پیکر لگا
کیا خبر سودائیوں کو موسم گل کی ہوئی　　　میری تربت پر برسنے رات دن پتھر لگا
اب بھی گر آنا ہی تو جلدی سے آلیجئے خبر　　　بے مسیحا اب تو دم آنے مرا لب پر لگا

یاس نے حسرت دل کو توڑ دیا — پھر دعاؤں کو کبھی ہاتھ اُٹھا

میں تو کمبخت ہوا اے رام ہما یونہی مرا — اکیس ناتواں ہے فلک سخت جگر یونہی مرا

ہمدم تخلص تھا۔ گوہر جان طوائف کلکتہ کی رہنے والی تھی یہ چند شعر یادگار ہیں

دل گیا یار نے رحمی دم تقریر عبث — لے سب کھینچ گیا وہ صورت شمشیر عبث

تیلر دیوانۂ الفت ہے یہ ٹھہریگا کبھی — موجیں بہاتی ہیں سیلاب کو زنجیر عبث

بیکراں آ ہمیں دل صید لبک لعوں میں — ڈھونڈتے پھرتے ہیں صحرا میں وہ نخچیر عبث

ہنر۔ گما جان طوائف دربھنگہ کی رہنے والی کا تخلص تھا جس شوخ مزاج تھی شعر بھی خوب کہتی تھی۔

کیوں جرح پیر کو کیسے ہے دیوانہ مزاج — ہائے یہ پیرانہ سالی اور طفلانہ مزاج

مردم چشم صنم بھی ساحری میں ہے کوئی — اپنے قابو میں جو کر لیتے ہیں یگانہ مزاج

حشر میں اک حشر ہو جائیگا برپا دیکھ — قبر سے اُٹھینگے حسد میں تیرے دیوانہ مزاج

اے پری رو تو نے عالم کو یہ دیوانہ کیا — شکل عنقا کی نظر آتے ہیں فرزانہ مزاج

اک تمہارے حسن ہی واسطے کافی ہے شمع — کیجئے اتنا نہ لیکر سمت صد دانہ مزاج

آ گیا نام خدا عہد شباب اسکا اگر — ٹھیک کے طفلی سے کریگا پھر جاتا مزاج

ممکن ہے کہ اسکے بعد بھی وہ شاعری کرتی رہی ہو اور اور کچھ شعر کہے ہوں۔

ہمایوں - تخلص ہے - میرٹھ کی رہنے والی ہیں فی الحال اپنے شوہر کے ہمراہ انبالہ میں مقیم ہیں - نہایت ذہین ہیں - اُردو فارسی میں اچھی خاصی دستگاہ ہے - بقدر ضرورت انگریزی بھی جانتی ہیں - اس وقت کوئی ۲۵ - سال کی عمر ہوگی - شعر و شاعری سے کافی ذوق ہے مگر کسی رسالہ اور گلدستہ میں کبھی اپنی غزل نہیں دیتیں بلکہ جو ایسا کرتی ہیں اُن سے ہمیشہ اظہار ناراضی کرتی رہتی ہیں - میرے ایک دوست نے جو آپ کے عزیز قریب ہیں میرے اوپر کرم فرمایا اور بمشکل یہ کلام مجھ تک پہونچایا - نام وغیرہ کی اب بھی اجازت نہیں ہے نمونۂ کلام حاضر ہے - ملاحظہ ہو

آسماں روز نئے رنگ ہی لاتا جائے — جسقدر اس سے بنے قہر مٹاتا جائے

خیر منظور ہے فرقت کی مصیبت مجھکو — جاتے جاتے کوئی جلوہ تو دکھاتا جائے

وعدۂ وصل کر نہیں دیتے — پھول کیطرح مسکراتے ہیں

بس تسلی نہ دو دمِ رخصت — جائیے آپ روز آتے ہیں

نہیں ملتے اگر غریبوں سے — اُن کو دیوانہ کیوں بناتے ہیں

رند سے اعتبار توبہ کا — کالی کالی گھٹا کے ساتھ اُٹھا

کسی پردہ دار کا غم جو نہ پردہ دار ہوتا — تو یہ استخواں میں ہر گز نہ مرے غبار ہوتا
نہیں جب ثبات دیا تو مجھے ترا گلا کیا — مرے ساتھ عہد کیو نکر ترا استوار ہوتا
یہ عبث نہیں تو کیا ہو کہ جمیں ہو اور گھٹا ہو — یہ وہ وقت ہو کہ جام مئے ناب یار ہوتا
تجھے کس غرور کہتا کوئی لے کریم و راحم — کسے بخشتا جو کوئی نہ گنہگار رہوتا
کیوں دیتے ہیں تعزیر بتانِ ستم ایجاد — یارب میں اگر ہوں تو گنہگار ہوں تیرا

ہائے ہوز

ہلال (ط) تخلص نام چندا جان دہلی کی ایک ادنیٰ درجہ کی طوائف تھی جس کا ابھی سات آٹھ برس پہلے انتقال ہوا ہے کچھ دیوانی سی تھی اپنے شعر بھی سنایا کرتی تھی۔ اور شعرا سے نہایت اختلاط و محبت سے پیش آتی تھی۔ میں نے خود اُنکی زباں سے یہ شعر سُنے ہیں نہیں معلوم اُسی کے ہیں یا کسی کے۔

دیکھتا ہی جو کوئی عود سا اُس کی جانب — ہاتھ رکھ لیتے ہیں وہ پھول سے جبڑوں پہ
ایک کا بھیدگی کا ہی نہیں ہوتی ہی ہلال — لوٹا پڑتا ہی عشاق کو انگاروں پر

ایک شخص نے دوسرا شعر سُن کر کہا کہ ہلال آپکا تخلص ہے تو اُسے جواب دیا کہ جی ہاں یہی تخلص ہے۔ یہ باتیں اب سے پندرہ برس پہلے کی ہیں

آگرہ کی رہنے والی ہیں دورِ موجودہ کی نہایت خوش خیال شاعرہ ہیں۔ آپ کی غزل دیکھکر کہنہ مشقی کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کے زیادہ حالات معلوم نہیں صرف ایک غزل ضیافتِ طبع ناظرین کیجاتی ہے ۔

دنیا سے جا رہی ہوں تمنا لئے ہوے | دل ہے کہ ایک یاس کی دنیا لیے ہوئے
ارمان سیکڑوں دلِ شیدا لیے ہوے | جاتا ہے بزمِ یار میں تنہا لئے ہوئے
صد سوزشِ جراحت و صد شورشِ فراق | دل ہے اک اضطراب کی دنیا لیے ہوئے
ارمان و عشق و حسرت و حرمان و درد و یاس | آئی ہوں بزمِ یار سے کیا کیا لیے ہوئے
اب آرزو ہے کوئی نہ ارمان ہے کوئی | مایوس موت کی ہوں تمنا لیے ہوئے
مصروفِ شغلِ مشقِ تصور ہے رات دن | دل ہیں ترے خیال کی دنیا لیے ہوئے
اُمید چارہ سازی بیمار الوداع | خود ہی جگر میں درد مسیحا لیے ہوئے
وہ دن بھی تھے کہ رہتے تھے مسرور آرزو | اب آرزو کی ہوں میں تمنا لیے ہوئے

پہلو میں ہے مرے دلِ صد آرزو وحید
ہر آرزو ہے شوق کی دنیا لئے ہوے

وزیر۔ (ط) وزیر بیگم طوائف خیرآباد ضلع سیتاپور کی رہنے والی تھی شعر و شاعری سے بھی اک گونہ شوق تھا۔ یہ اُس کے شعر ہیں ۔

نقاب (ط) - حمیدن بائی طوائف کلکتہ والی کا تخلص تھا۔ مسی بائی محاں کی چھوٹی بہن تھی۔ نمونۂ شاعری یہ ہے۔

نقاب اُس بُت سے تو ملنا ہرگز　　　وہ ظالم ہے ستائے گا ترا دل

سب سے بزم جاناں میں میں تنہا رہ گیا　　　یہ نہ بولا اے کوئی ایک پیمانہ اِسے

نورن (ط) یہ مسماۃ فرخ آباد کی ایک شاہد بازاری تھی ایک شعر بھی اس کے نام سے موجود ہے۔

اٹھا تیری زلف سے کل جسکو گلہ دل　　　ملع جہاں سے آج وہ بیمار اُٹھ گیا

نوشابہ تخلص تھا۔ محمدی جان نام تھا۔ رامپور کی رہنے والی تھی شعر خوب کہتی تھی۔ ناصر صادق علی مائل کو اپنا کلام دکھاتی تھی یہ شعر نمونتاً حاضر ہیں

لطف احسان کا ہوا ہے رشک قمر وصل کی رات　　　کیجئے آپ نازوں یہ نظر وصل کی رات

آساں جسکو عاشق سے عوض لیگا مگر　　　جیسے ٹوٹے ہیں مرے چار پہر وصل کی رات

جسکی سسرال میں وہ آنکلے پھر دل اُس کے　　　ارا دھر وہ تڑپا ہاں ہم اُدھر وصل کی رات

واو مہملہ

وحید تخلص وحید النساء نام ایک خاتون عصمت مآب عفت گزیں

تو جو اغیار کے پہلو میں یہاں رہتا ہے — مجھ پہ تنہائی میں ہر روز خفقاں رہتا ہے

نقاب ۔ صرف تخلص معلوم ہے۔ باقی حال خدا جانے۔ اتنا جانتا ہوں کہ کوئی مستورہ عفت مآب یا شاہد بازاری جنس نازک سے ہیں کلام ہدیۂ اہل نظر کیا جاتا ہے۔

آنکھوں سے آب اشک بہایا نہ جائے گا — طوفان نوح ہم سے اٹھایا نہ جائے گا
میرے بجائے اسنے عدو کو بٹھا لیا — یہ داغ رشک مجھ سے اٹھایا نہ جائے گا
وہ اور وصل غیر یہ امر محال ہے — تسکیں دے رہا ہے مجھے یار کا حجاب
ہمارے خط کے پرزے کیلئے وہ بھیجا ہمکو — جواب نامہ پہ تکرار قاصد نے مقرر کی
نقاب در کوچہ گردی خاکساری آبلہ پائی — عدو اور آستان دلربا خوبی مقدر کی
وہ ہجراں کے صدمے اٹھائے ہوئے ہیں — کہ ہاتھوں سے دل کو دبائے ہوئے ہیں
اگر سر کروں جائیں چوتھے فلک پر — یہ نالے مرے آزمائے ہوئے ہیں
فلک کے عدو کے دل غمزدہ کے — کہیں کیا کہ کسکے ستائے ہوئے ہیں
وہ کیا منہ دکھائینگے محشر میں مجھ کو — جو آنکھیں ابھی سے چرائے ہوئے ہیں
نہ تھے گھر میں غیروں کے میں نے یہ مانا — مگر کچھ تو ہے جو لجائے ہوئے ہیں
دور سب بزم جاناں ہیں میں بیٹھا رہ گیا — یہ نہ بولا ہائے کوئی ایک پیمانہ اسے
اُس سے اور امید رحم ای حضرت دل خیر ہے — آپ تو نام خدا عاقل تھے کیا جانا اسے

مرتے مرتے نہ رہے حسرت رعاب مجھے ۔۔۔ اور اک گھونٹ پلادے کوئی ٹھنڈا ٹھنڈا
تیرا بیمار وفا کا ہے نمونہ اے برف ۔۔۔ ہوگیا خود تو وفا کرکے کلیجا ٹھنڈا

نشتر حبات قیصر بیگم صاحبہ نشتر لکھنوی کوئی ریانہ حال کی شاعرہ ہیں لکھنؤ کے رنگ موجودہ کا انداز ہر شعر سے عیاں ہوتا ہے کلام بالکل مردانہ ہے زماں نسواں کی بو بھی اسمیں نہیں پائی جاتی ۔

چمن میں آج آمد ہو جو اس سرو خراماں کی ۔۔۔ بہار رفتہ پھر آئی ہوا بدلی گلستاں کی
دھواں اٹھتا ہو سینہ سے آہ کرتا ہوں تو رقت ۔۔۔ نہ پوچھ اے ہمنفس حالت ہمارے قلب سوزاں کی
ملے دل سی عنایت تھی جنون فتنہ ساماں کی ۔۔۔ کہ چھانی خاک ہم نے عمر بھر کوہ بیاباں کی
ابھی کمسن ہو ڈر جاؤ گے پیر گرجوانی ہو ۔۔۔ نہ دیکھی جائیگی حالت لفیف شام ہجراں کی
پھبکی وصل گل ہم پر حسرت دل رنگ لائیگی ۔۔۔ ترے وحشی کرینگے دھجیاں جیب گریباں کی

کسی کے گیسوئے پر خم جو نشتر یاد آتے ہیں
مری آنکھوں میں پھرتی ہے سیاہی شام ہجراں کی

نظیرن لکھنؤ کی ایک عفت مآب خاتون کا نام تھا۔ یہ دو شعر اُن کے یادگار ہیں ؎

کیا کہیں تم سے ہم کہ کیا ہیں ہم ۔۔۔ پاکدامن ہیں پارسا ہیں ہم

دل ہی نہیں کہ تجھکو دوں نذرِ محبت ازل
آنکھیں نہیں کہ آہوں میں بھی تجی ی نگاہ میں

ہائے وہ رحم کن نظر جسکی کرم نمائیاں
بنگئیں ساز زندگی عشق کی نوگاہ میں

پھر تری برہمی کی یاد رنگ اُڑا کے لیچلی
دیکھ رہی ہوں میں تجھے پھر اُفق سیاہ میں

دعوتِ سیرِ دل تجھے دے نہ سکے معاف کر
بند پڑے تھے راستے ہر نفس تباہ میں

ہاں ترا عشوہ خفا اب نہیں مائلِ کرم
ہاں نہیں اب ری نگاہ تیری حسین نگاہ میں

خیر سکونِ دل نہ بن خیر نہ التفات کر
آنے دے ذکر تو مرا پرسش گاہ گاہ میں

کچھ نہیں چاہتی مگر اک نگہ غلط اثر
ہمت اعتراف ہو جس سے لب گناہ میں

گوش حقیقت آشنا نوحۂ خستہ کام سن
مہر سحر نمائے دل عرض نیاز شام سن

(برف)

برف اے جوہر شفاف ور اے شیشۂ نور
ہے تجھی سے اثر موسم گرما ٹھنڈا

ایک تسکین ترے دم سے ہی میخانہ میں
ہے خنک جام و سبو سرد ہی شیشا ٹھنڈا

تو نے سوزِ تپِ فرقت میں بہت کام دیا
تو نہ ہوتا تو دل گرم نہ ہوتا ٹھنڈا

جسم پر ہوتی ہے اک تازگی طاری تجھسے
کر اثر سے ترے آتا ہے پسینا ٹھنڈا

تیرے ٹکڑے ہیں کہ بلور کے آئینے ہیں
نظر آتا ہے تخیل کا سراپا ٹھنڈا

شعر عمدہ کہتی تھی۔ یہ غزل مستری کو لکھو بھیجی تھی۔

سے دیکھئے سنگدل سے وفا ہے نہیں بُت کوئی دل لگانیکے قابل
اسی سے ہر درد والم عاشقوں کو ہے یہ عشق لعنت مٹانے کے قابل
کہیں کیا کیا ضعف نے حال اپنا نہیں اب رہے لب ہلانے کے قابل
کیا عشق نے ہمکو بدنام سب میں کہاں اب رہے مُنہ دکھانے کے قابل

نسرین عابدہ خانم نام ہے متھرا کی رہنے والی ایک نہایت معزز خاتون ہیں پہلے پروین تخلص کرتی تھیں مگر جب یہ معلوم ہوا کہ اس نام کی کئی اک اور خواتین بھی ہیں تو آپ نے اس تخلص کو ترک کرکے نسرین تخلص اختیار کیا۔ اکثر غزلیں اور نظمیں کہتی رہتی ہیں اور زمانۂ حال کی ایک ممتاز شاعرہ ہیں دو نظمیں مجھے اسوقت مل سکیں نقل کیے دیتا ہوں انھیں سے ناظرین انکی جودت طبع کا اندازہ فرمائیں پروین کے نام سے بھی آپ ہی کا کلام ہے یہ تکرار نہیں بلکہ دانستہ ایسا کیا ہے۔

دُعائے شام

کیوں نہیں بیٹھے بٹھلائے داس کیفِ مری نگاہ میں پڑ گئے گرے ہوئے ہیں کیا حسن کی بارگاہ میں

نا منصفی اور اے بت بیداد گر ایسی
چاہت تری غیروں کو بھی ہوگی مگر ایسی

حرماں ہو اگر چاہ کی تعذیر تو ظالم
تقصیر نہ ہوگی کبھی بار دگر ایسی

ہم بزمی دشمن کو چھپانا ہی تھا قاصد
کہتا ہے کسی سے کوئی نادان خبر ایسی

نزاکت (ط) تخلص کندن نام بنت حسینی طوائف دہلوی سلیقہ شعار عورت تھی ستار بجانے میں کمال حاصل تھا شگفتہ مقیم جے پور کی شاگرد تھی ۱۲۹۰ھ ہجری میں زندہ تھی۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتی تھی۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

بلبل زار ہوں تو تیرا ہوں
میں گرفتار ہوں تو تیرا ہوں

خواہش دین نہ کام دنیا سے
میں طلبگار ہوں تو تیرا ہوں

اِن فرشتوں کو واسطہ مجھ سے
میں گنہگار ہوں تو تیرا ہوں

ہوں نہ اچھا کبھی مسیحا سے
میں جو بیمار ہوں تو تیرا ہوں

سجدہ کروا نہ غیر کے آگے
بندہ اے یار ہوں تو تیرا ہوں

نہ بوسہ رُخ کا دیتے ہیں نہ گیسو چھونے دیتے ہیں
یونہی اک عمر گزری ہے کہ صبح و شام کرتے ہیں

نزاکت۔ (ط) بمبئی کی ایک شاہد بازاری کا نام اور تخلص تھا۔

نواب مصطفٰے خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد مرحوم اس پر شیفتہ و فریفتہ تھے اُن کی حسن
کے فیض صحبت نے شاعر بھی بنا دیا تھا۔ یہ شعر تذکرۂ گلشن بہار میں اُسی کے
نام سے درج کئے ہیں۔

سکر رہتا ہے یار آنکھوں میں　　ہے نظر بار بار آنکھوں میں
محفل گلرخاں میں وہ عیار　　لے گیا دل ہزار آنکھوں میں
سرمۂ خاک پا عنایت ہو　　آ گیا ہے غبار آنکھوں میں
کہیئے جو رقیبوں سے بُرائی تو کہے وہ　　ہے وہ ہی وفادار جو لیبوں سے ملا ہے
جلا ہی جان و دل سر سے قدم تک جل گیا میرے　　سایا تھا مجھے گویا کہ خاک کوئے قاتل سے
کہتا ہے کبھی ہے کیا عاشقی غلط　　گر کہیئے تیرے عہد میں اُلفت نہیں رہی
کیا کیا عذاب اُٹھائے ہیں لذّت عشق کے　　حرام اب تو کچھ بھی نزاکت نہیں رہی
ہوں نزاکت والے کوئی کیا ذکر　　دم رخصت ترے سنبھال سکے
کیوں نہ میں قرباں ہوں جب وہ کہے ناز سے
ہم کو جفا کا ہے شوق اہل وفا کون ہے
مرے شوق نہاں کی تاثیر دیکھو　　کہ دلدار بھی دلربا جاتا ہے
نزاکت ہوں ہر ناتوان محبت　　لطیفہ مرے نام کا جاتا ہے

جوہر خنجر قاتل جو گل افشاں ہوجائے — تن مجروح مرا رشک گلستاں ہوجائے
دم مسیحانہ بھریں اپنی مسیحائی کا — گر کہیں شہرۂ جاں بخشی جاناں ہوجائے
امتحان دل عاشق جو نہیں ہے منظور — یا خدا جلد یہ مشکل کہیں آساں ہوجائے
دل میں میرے ہے خیال زلف جاناں آجکل — دیکھتا ہوں روز میں خواب پریشاں آجکل
سر میں سودا ہے مرے زلف سیاہ یار کا — خوش مجھے آتی ہے سیر سنبلستاں آجکل
جب کہیں پرتو فگن تیرا رخ روشن ہوا — گھر بنا برج قمر روشن ہر اک روزن ہوا
دم بدم بسمل تڑپتا خوب جی کو کھول کر — پر اد بآموز اے قاتل ترا دامن ہوا
جان دی میں نے جو اس چشم سیہ کے عشق میں — سیرگاہ آہوان چیں مرا مدفن ہوا
کس صاحب حیا کی آمد ہوئی چمن میں — نرگس نے منہ چھپایا پتوں کے پیرہن میں
اس مہروش نے رخ کو کاکل میں جب چھپایا — جوڑی کی بات سمجھی مہ چھپ گیا گہن میں

نجیبن (ط) دہلی کی ایک بازاری عورت کا تخلص تھا۔ ایک شعر کے سوا اور نہ کوئی حال معلوم ہوا نہ شعر ملا۔

ٹک دیکھو بعد مرگ مرے انتظار کو — نرگس نے چھالیا ہے ہمارے مزار کو

نزاکت (ط) تخلص مجو نام تھا۔ نارنول کی ایک طوائف تھی جو بچپن ہی سے دہلی میں رہی یہیں جوان ہوئی نہایت مہذب حسین خوبصورت تھی

نازک (ط) فقط حاں طوائف مرزا شاہ رخ بہادر دہلوی کی گائیوں میں تھی فارسی زباں اچھی جانتی تھی۔ پھر مناحاں طوائف کی نوچی سکر رہی ٹری عیارہ فقط پردار تھی۔ بات بات میں حریفان عشق میں فساد کرادیتی تھی اور آپ پھر اچھی کی اچھی رہتی تھی اس کے دیکھنے والوں کو میں نے بھی دیکھا ہے آخر میں اسے نکاح کرلیا تھا اور معاصی سے تائب ہو کر گوشہ قناعت میں بیٹھ گئی تھی

کہتا ہوں میں خدا سے یلیف ماجرائے دل ایسا ہو کہ میرکسی بت پر آئے دِل

ڈرتے رہو خدا سے تو ظلم مت کرو ایسا نہو کہ تمکو کوئی دے سزائے دل

نازک شب فراق میں اتنا نہ روئیے آنکھوں کی جا نکل نہ پڑیں لختہائے دِل

نازنین کسی مجہول الحال عورت کا تخلص جسکے نام مقام اور کام کا کچھ حال نہ مجھے معلوم ہوا نہ میرے پیشرو تذکرہ نویسوں کو۔ تھوڑا یہی کلام نقل کیے دیتا ہوں

ارک گیا دل جو مرا قابل اماں ہوکر رہ گئے رہی دھرکے ساماں ہوکر

آپ کشتہ کو تو ٹھوکر سے جلاتے جاؤ پھر کے جاتے ہو کہاں عیسیٰ دوراں ہوکر

نازنیں خوش صفایہ ہے کہ میرا کینہ

مجھ سے ظاہر ہے ترے قلب میں پنہاں ہوکر

خاتون ہیں دورِ موجودہ کی ایک خوش فکر شاعرہ ہیں۔ کلام سے نسائیت کی بُو آتی ہے مردانہ طرز میں ہے۔ ایک غزل حاضر ہے۔

اگر وہ دردمندان محبت کا گلا سنتے
تو کاہیکو زبان خلق سے اچھا بُرا سُنتے

ذرا سی بات تھی عرض تمنا پر بگڑ بیٹھے
وہ میری عمر بھر کی داستان عشق کیا سنتے

مرا افسانۂ غم خود کہا جاتا نہیں مجھ سے
مرے ہمدرد کیا سنتے مرے غمخوار کیا سنتے

نہ دل دیتے حسینوں کو نہ دم بھرتے محبت کا
مرے مُنہ سے مرا قصہ جو ارباب وفا سُنتے

لکھا تو ہے انھیں نامہ مگر یہ خواہش دل ہے
ہماری ہی زباں سے وہ ہمارا ماجرا سُنتے

وہ عالم ہی عجب تھا سیکڑوں دل میں امنگیں تھیں
نصیحت ابتدائے عشق میں ناصح کی کیا سُنتے

یہ حسرت آخری حسرت ہے بیمار محبت کی
کسی صورت سے وہ حالِ دلِ درد آشنا سُنتے

ہوا ہے جلوہ گاہ عام میں جلوہ نما کوئی
کبھی اے کاش نازک ہم بھی یہ دلکش صدا سنتے

نازک۔ زینت جان طوائف دہلوی کا تخلص تھا۔ قدیم رنگ سے پتہ چلتا ہے کہ شاید میر سودا وغیرہ کے وقت میں تھی۔

ہے نالہ و زاری کا مری شور فلک تک
پردہ بت گلفام کوئی کان دھرے ہے

یاد آتی ہیں آنکھیں مدہ نشے کی
ساقی مے گلرنگ سے جب جام بھرے ہے

کرکے تیغِ حکم مارے بسمل مجھ کو　　دیر تک خود سے دیکھا کیا قاتل مجھکو
حسن کا دیوانہ و سرگشتہ پھرا کرتا ہوں　　اُسی لیلیٰ کا دکھادے کوئی محمل مجھکو

ہو مبارک تمکو ای ناصح حکیمانہ مزاج　　ہم تری سودائی ہیں رکھتے ہیں دیوانہ مزاج
وہ ترا عاشق جو کل تک تھا فلاطوں ای پری　　کہہ رہا تھا آج ناصح اُس کو دیوانہ مزاج
رشک مہر و ماہ اس کہیئے نہ کیونکر آپ کو　　آسماں پر آجکل رہتا ہے جانانہ مزاج
ترک الفت کو جو مجھ سے کہہ رہا ہے ناصحا　　کس قبول اسکو کریگا کوئی فرزانہ مزاج
داغ سودا تاج ہے اقلیم صحرائے جنوں　　ای پری ہے تیرے دیوانوں کا شاہانہ مزاج
واہ وا ای عشق کیا کھلا تماشا ہے یہ　　ہوگئے اپنے بیگانے ہم سے بیگانہ مزاج
نازک گر نازاں حساب شیخ کو طاعت پہ ہے
انکی رحمت پر ہیں نازاں جو ہیں رندانہ مزاج
جذبۂ دل نہ دکھاتا جو اثر وصل کی رات　　وہ کسی طرح نہ رکتے مرے گھر وصل کی رات
پاؤں پڑ پڑ کے جو ہم کہتے ہیں دل کا مطلب　　کچھ وہ شرما کے جھکا لیتے ہیں سر وصل کی رات
سخت حسرت کبھی جائیگا نہ مجھ وحشی کا　　قفل سجاتی ہے مرے پاؤں کی زنجیر عبث
نازک تخلص نازک بیگم نام ہے کسمنڈی کی رہنے والی کوئی عفت مآب

وصال یار کا ساماں جہاں بنا بگڑا | ہمارا کام یونہی ہر زماں بنا بگڑا
تمھارے پاؤں کے ناخن کی ہمسری نہ ہوئی | ہلال لاکھ سر آسماں بنا بگڑا
ہمارے عین لکھنے پر ہزار وصل کرتے ہیں | یہ عین انکی عنایت ہے کرم ایزاد کرتے ہیں

تم تو باز آگئے جفا کر کے | ہم نے مارا نہ دم وفا کر کے
ہم نے دکھلا دیا کمال عشق | ابتدا ہی میں انتہا کر کے

مرا دل زلف کو زنجیر یا دام بلا سمجھے | ہزاروں پیچ ہوں جسمیں اُسے انسان کیا سمجھے
غلط فہمی ہے اپنی آپ کو ہم باوفا سمجھے | بڑا دھوکہ ہوا ناآشنا کو آشنا سمجھے
تمھیں ہم دوست سمجھے دوست کو ناآشنا سمجھے | ہمیں نادان تھے صاحب جو تم سمجھے بجا سمجھے

ناز (ط) تخلص امیر جان بنت گوہر جان طوائف۔ لکھنؤ کی رہنے والی تھی فکر شعر میں بھی کچھ اوقات صرف کرتی تھی۔ نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیے۔

اپنے پہلو میں جگہ دی سر محفل مجھکو | دل ہی یار نے کی دیکھ کے بیدل مجھکو
اور مہماں ہوں کوئی دم کا ذرا ٹھہر تو | کیا چلے جاؤ گے اب چھوڑ کے بسمل مجھکو
اُلفت یار سے بس ہوگا نہ حاصل مجھکو | خاک میں خوب ملائے گا مرا دل مجھکو
گرمیاں یار نے کیں غیر سے میرے آگے | صفت شمع جلایا سر محفل مجھکو
لیگیا بام پہ وہ حور شمائل مجھ کو | آج رتبہ ہوا معراج کا حاصل مجھکو

ناز (ط) بی جان طوائف ساکنہ فرخ آباد کا تخلص تھا نمونہ کلام درج کیا جاتا ہے

زہرہ لائیں لیسے لگی آسمان پر — توڑا لیا جو ناج میں اُسے اُٹھا کے ہاتھ

اس کو جانا تھا مرے پاس گر وقت اخیر — شکل اک بار مجھے اور دکھاتے جاتے

ناتوانی کا بُرا ہو نہیں اُٹھنے دیتی — رہ گئے کوچۂ دلدار میں جاتے جاتے

اُنکی محفل میں کہاں ہم سے غریبوں کا گذر — دیکھ لیتے ہیں مگر راہ میں جاتے جاتے

سرِ محفل میں رقیبوں سے اُلجھ پڑتا ہوں — گو وہ ہر بات پہ راہوں میں ٹلاتے جاتے

خیر وہ بھی ہمیں کیا یاد کرینگے اے ناز
دل و دیں انکو دیئے جاتے ہیں جاتے جاتے

ہاتھ جینے سے جو ہم دھو بیٹھے — بحر الفت میں دل ڈبو بیٹھے

ہم تو جاتے ہیں اے ستم ایجاد — تیرے پہلو میں جانے جو بیٹھے

میری تربت دکھا کے کہتے ہیں — اپنے ہاتھوں یہ جان کھو بیٹھے

یہ مروت ہے یار وہ گلرو — تم تو بیکار دل کو کھو بیٹھے

ناز (ط) تخلص گیتی آرا بیگم عرف گمانی بیگم دہلوی کا تھا نہایت خوش مزاج چالاک تھی اور بہت عمدہ شعر کہتی تھی نمونہ کلام کے لئے کچھ شعر لکھے جاتے ہیں جو انکی طباعی کا آئینہ ہیں

جو مرزا فدا حسین فضا سے اصلاح لیتی تھی

دل جل گیا حرارت داغ فراق سے — اس آفتاب حشر کا ہوگا زوال کب

ناز - (ط) امراؤ جان طوائف سندیلہ ضلع ہردوئی کی رہنے والی تھی پھر خیرآباد میں چلی آئی تھی نہایت طبیعت دار تھی حالانکہ زیادہ استعداد علمی نہ تھی مگر خوب خوب شعر کہتی تھی چند شعر حاضر ہیں ۔

قید میں پڑ گئی کڑی کس پر — درد تھا نالہ سلاسل میں

کاش چھڑوائے مجھ سے کوئی اُسے — شب ہجراں پڑی ہے مشکل میں

لوٹتی پھرتی تھی قضا ہمراہ — کیا ادا تھی تمھارے بسمل میں

مانا نکلے نہ آرزو نہ سہی — آرزو بن کے آئیں تو دل میں

بڑھائیں بات کسی کو گلے سے مطلب کیا — عدو سے بحث ہے کچھ مجھ سے گفتگو تو نہیں

کچھ تبسم سا لب ناز پہ نیچی نظریں — کن اداؤں سے شب وصل وہ شرماتے ہیں

جی بھر آیا بس ایک آہ کے ساتھ — جوش حسرت اُٹھا نگاہ کے ساتھ

دل کو بیدرد چھیل کر نکلی — ٹکڑے ٹکڑے کچھ آئے آہ کے ساتھ

دیکھتے آنکھ سے کیوں خون تمنا ہوتے — بات بنتی جو ہم اُن کے لب گویا ہوتے

چھیڑتا ہے کسی کا ناوکِ ناز — گدگدی سی جگر میں اُٹھتی ہے

امید زیست کیا نقش اپنی ہے اس　　　پھر حسرت دل دکھائیگا اپنا کمال کب

وقت تیغ نگاہ یار میں　　　بسمل کی طرح تڑپاتی ہے روح

نازؔ (ط) تخلص سندری جان طوائف عظیم آبادی کا تھا۔ جو علم انگریزی و فارسی میں اچھی خاصی قابلیت رکھتی تھی۔ کشیدہ کا کام بھی خوب اچھی طرح جانتی تھی۔ حکیم آغا حسین ارل کی شاگرد تھی ۱۲۸۹ھ تک زندہ تھی اس کا حال معلوم نہیں ؎

ست وصل کرتے ہو عاشق سے حجت　　　نکالا ہے تم نے یہ جھگڑا کہاں کا

ارے آسماں میرے نالوں سے ڈر تو　　　ارادہ یہ رکھتے ہیں اس لامکاں کا

بھٹکا ہوں میں یاروں سے چھوٹا ہوں منزل　　　نشاں دے مجھے کوئی کارواں کا

دو شمر یہ سر دوں حاضر ہیں اسدم　　　ارادہ ہو دل میں اگر امتحاں کا

نازؔ (ط) تخلص سندری جان نام آرہ کی ایک حسین طوائف تھی۔ یہ دو شعر اسی کے ہیں ؎

کچھ تو ہو سوائے رشک قمر وصل کی رات　　　پھر حد جائے کہ آئے مرے گھر وصل کی رات

منہ سے بولو تو سہی کاہے کی گھبراہٹ ہے　　　بات کی بات میں ہوتی ہے سحر وصل کی رات

نازؔ (ط) تخلص اچھی بی نام لکھنؤ کی ایک عصمت فروش شاہد بازاری کا تھا

کر غلامی علی کی تو اے ناز ‏ ‏ ہے اگر شوق بادشاہی کا

مجھ سے رُٹھا وہ یار جانی ہے ‏ ‏ جان جانے کی یہ نشانی ہے

ناز شفیق بیگم نام ہے زمانۂ حال کی خوشگو شاعرہ ہیں شعر سے نہایت نزاکت خیال کا پتہ چلتا ہے زیادہ حال معلوم نہیں ایک غزل دستیاب ہوئی ہے وہی درج ہے۔

نقاب عارض روشن ہٹا کر مسکرا دینا ‏ ‏ ہمارے خرمن دل پر ذرا بجلی گرا دینا

خرام ناز سے تربت پہ اک ٹھوکر لگا دینا ‏ ‏ مری سوتی ہوئی تقدیر کو آ کر جگا دینا

لگی ہے آگ سینہ میں پھنکا جاتا ہے دل میرا ‏ ‏ ذرا ای چشم تر بڑھتے ہوئے شعلے بجھا دینا

نہیں ہے رونے والا کوئی بھی بیکس کی میت پر ‏ ‏ تمھیں آ کر ذرا اشکوں کے دو قطرے گرا دینا

تمھارے کشتۂ الفت کی بس اتنی وصیت ہے ‏ ‏ کہ بعد مرگ ہاتھوں سے مری میت اٹھا دینا

حوادث سے زمانہ کے نہ گھبرانا کبھی اے ناز

خدا کے ہاتھ ہے بگڑی ہوئی قسمت بنا دینا

ناز (ط) تخلص۔ گلاب شاہد بازاری کا تھا جو آرہ میں رہتی تھی۔ خواجہ فخرالدین حسین متخلص بہ سخن تلمیذ مرزا غالب مصنف سروش سخن وغیرہ کی شاگرد تھی۔ جو غدر کے بعد تک زندہ رہی۔

تذکرۂ ماہ درخشاں سے نقل کیا جاتا ہے ؎

دل اُٹھاتا ہوں مرا جور و جفا کیا کیا کچھ　　آہ کرتا ہے وہ عیار دغا کیا کیا کچھ

مہک تخلص گس جان طوائف۔ خوش مزاج۔ خوش گو۔ شاگرد امداد حسین رضا لکھنوی

ہم کسی سے جو گلا درد جدائی کا کیا　　رو دیئے تھام کے ہاتھوں سے جگر وصل کی رات

نقل مطلوب اگر ہے تو جھٹا و آرزو۔　　ہم تو مدت سے گلے ملتے ہیں تلواروں سے

بس رہی ہے کیا کسی کی زلف میں　　کچھ کچھ مہکی ہوئی آتی ہے روح

کون سوتا ہے گلے لپٹا ہوا　　پیار کرتا دل ہے کھلاتی ہے روح

(نون)

ناز۔ ایک شہزادی کا تخلص تھا جن کا نام عالم آرا بیگم تھا خاندان تیموریہ سے تھیں۔ غدر سے پہلے ایام شباب تھے اُسی وقت جوش میں شعر بھی فرماتی تھیں۔ اگرچہ زندہ بہت زمانہ تک رہیں مگر آخر آخر میں شاعری ترک کر دی تھی یہ شعر ہیں۔

شور ہے اُنکی بے وفائی کا　　بس نہیں چلتا وان سائی کا

خدا معلوم مولوی صاحب کی صحبت نے اثر کیا یا کیا اسباب پیش آئے کہ آخر کار دین مسیحی کو چھوڑ کر مشرف بہ اسلام ہوگئیں آج یہ شعر اُن سے یادگار ہیں۔

ہوگئی نیند بھی ہمسایہ کی تا صبح حرام
میں نے نالہ جو کسی رات سرِ شام کیا

آہ وزاری نہیں سنتا بخدا راتوں کو
اُس صنم کو ملکہ ہی نے مگر رام کیا

ہجر میں دل کو بیقراری ہے
جوشِ فریاد آہ وزاری ہے

آنکھیں پتھرا کے ہوگئی ہیں سفید
کسی بُت کی جو انتظاری ہے

منوّر ۔ منور جان نام کرنال کی ایک مشہور طوائف تھی نمونۂ کلام ملاحظہ ہو

تم سُنو یا مت سنو اے جانِ من
پر دعا ہر صبح دے جاتے ہیں ہم

مہر (ط) تخلص جبنیا جان نام ۔ کالی عرف تھا کرنال کی رہنے والی تھی غدر تک زندہ رہی ۔ نمونۂ کلام یہ ہے ۔

بوقتِ نزع بالیں پر مری آئے تو کیا آئے
دمِ آخر جو تمکو ایک دم دیکھا تو کیا دیکھا

یوں چمکتا داغِ ہجراں مہر کے سینے میں ہے
جس طرح فانوس میں ہو زیرِ پیراہن چراغ

ہم کو سینہ سے لگانا چاہیے
غیر کی چھاتی جلانا چاہیے

مہتاب (ط) اسی نام کی ایک قاصبہ بریلی کی رہنے والی تھی ۔ ایک شعر

وہ بُرا ہے تو اُسکو ہونے دے　　تو بُرائی نہ کر خدا سے ڈر
متوں سے مار رہا ہے وہ　　اب ڈھٹائی نہ کر خدا سے ڈر
ہے مغل رات دن ترے قرباں
اب جدائی نہ کر خدا سے ڈر

حال دل کا جو کچھ کروں اظہار　　واجب الرحم سمجھے وہ دلدار
لیک ہے مہر خامشی لب پر　　چپکا بیٹھا ہوں مثل نقش جدار
ہی توقع یہ اپنے نالوں سے　　خلد ہوں سینۂ عدو سے پار
دیکھیے کب خدا ملاتا ہے　　یار سے یار کو دوبارہ یار
رات دن ہائے مغل تصوّر میں
مثل بلبل رہوں ہوں زار بزار

ملکہ تخلص تھا اِنکا نام تھا ملاکیر صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس شہر کلکتہ کی لڑکی تھیں۔ نہایت حسین خوشرو تھیں۔ ولایت ہی میں پیدا ہوئیں لیکن شاید تربیت اور تعلیم ہندوستانی تھی۔ موسیقی میں بھی اچھا خاصہ ملکہ تھا۔ ستار عمدہ بجاتی تھیں کلکتہ ہی میں قیام تھا کبھی کبھی شعر کہتی تھیں اور اپنا کلام مولوی عبدالغفور صاحب نساخ مؤلف تذکرہ سخن شعرا کو دکھا [illegible]

پیدا ہوئی تھی گانے بجانے میں مہارت تامہ رکھتی تھی شعر بھی کہتی تھی۔ جب جوانی کا عہد ختم ہو گیا تو منہیات سے توبہ کر لی تھی۔ نمونۂ کلام یہ ہے ۔

نعش خون آلودہ میری کیوں نہیں کی پائمال پانوں لگنے کو ترے کیا یہ حنا تھی میں نہ تھا

جبکہ اس قاتل نے قتل عام پر باندھی کمر وائے ناکامی کہ وان خلق خدا تھی میں نہ تھا

از لب بوسہ نہ حق مجھ سے برہم ہو گئے یہ دل سودائی کی ہائے خطا تھی میں نہ تھا

شاخ گل گلشن میں اس طرح دوڑائے ہاتھ
ای مغل کیا کیجئے اس گل کا ساتھی میں نہ تھا

بیوفائی نہ کر خدا سے ڈر خود نمائی نہ کر خدا سے ڈر

بحر الفت کی انتہا ہی کہاں آشنائی نہ کر خدا سے ڈر

بیوفاؤں سے کیا وفا ہو گی آشنائی نہ کر خدا سے ڈر

ظاہری زہد کو بھی دیکھ لیا پارسائی نہ کر خدا سے ڈر

ہے حیا کچھ بھی دین و دنیا کی بے حیائی نہ کر خدا سے ڈر

کیوں جلاتا ہی اور مارتا ہی بت خدائی نہ کر خدا سے ڈر

دست نازک کا کچھ خیال تو رکھ یوں کلائی نہ کر خدا سے ڈر

سوزن ظلم سے تو خیاط تن یوں سلائی نہ کر خدا سے ڈر

حد سے تم اس کو تم اس سے جاناں مراج ۔۔۔ ہم تقدیر سے کہیں بیان پر تناہ مراج
دولت حسن خدا داد اور یہ غل اچھا نہیں ۔۔۔ اے حسینو چاہیئے تم کو کرنا یہ مراج
یار میں تھے راز جس پر کوئی پوشیدہ نہ تھا ۔۔۔ ہائے ہیں اب نہیں ملتا ہی جانانہ مراج
حسن تامح سے سیدھی بات بھی کرتا نہیں ۔۔۔ اے پری کرتا ہے کیسا تیرا دیوانہ مراج
پڑ گیا پرتو مگر زلف سیاہ یار کا ۔۔۔ ئی کی لیتی ہے مگر کرتا ہے استانہ مراج
ہو حلال نام خدا آنکھیلوں کے دن نہیں ۔۔۔ سوچیے کچھ تو صنم تاکے طبلانہ مراج

کردیا معشوق کو سودائی اک معشوق نے
ہوگیا عشاق کے ماسد دیوانہ میراج

نام سنتے ہیں نہیں دیکھی مگر وصل کی رات ۔۔۔ ہوگئی کیا کرہ موے کمر وصل کی رات
شام ہی کو اسے جاتے ہوئے میں نے دیکھا ۔۔۔ 15 سنتے تھے پچھلے کو کرتی ہے سفر وصل کی رات

معشوق تخلص حیدری خانم نام تھا فیض آباد کی رہنے والی تھیں شعر بہت کہتی تھیں مگر اب ایک ہی شعر موجود ہے جو درج تذکرہ کیا جاتا ہے

پان کھا کے جو کہیں تھوک دیا اس گل نے ۔۔۔ رشک یاقوت سے باغ کے کنکر پتھر

مُغل (ط) میاجان مشہور رمعل جان بنت امیر بیگم کا تخلص تھا۔ دہلی کی والی بہاڑی کے محلہ میں رہتی تھی۔ مگر گلاب سنگھ کشمیری دہلوی کے لطف سے

مار ڈالا مجھے اے مشتری اس زینت نے
زلفیں چھوٹیں کہ مرے واسطے اژدر چھوٹے

دم اخیر جو بسمل کی طرح دم پھڑکا ۔ قضا کے بھیس میں آیا وہ فتنہ خو تو نہیں
کافی ہے رگ جاں کے لئے نشتر مژگاں ۔ عاشق کو ترے حاجت فصاد نہیں ہے
شاید کسی محرور کا ہے آبلۂ دل ۔ یہ گنبد چرخ ستم ایجاد نہیں ہے
اس صفحۂ دل پر ہے تری آنکھ کا نقشہ ۔ کیجے نظری جسکو یہ وہ صاد نہیں ہے

مطلوب ۔ موسوم بہ فضل النساء بیگم ۔ ایک مستورۂ عفیفہ تھی جو کوہ شملہ کی رہنے والی تھیں اور باوجود مرکز زبان سے دور ہونیکے بھی شعر کہتی تھی شعر یہ ہیں :۔

کیوں نمک پاش نہ ہو زخم جگر پہ ہر دم ۔ مسکرانا ترا اے رشک قمر وصل کی رات
اللہ اللہ ری مدہوشی جام الفت ۔ جان و تن کی نہ رہی کچھ بھی خبر وصل کی رات
پاؤں میں وحشی کے ہے زلف جنوں کا حلقہ ۔ آنکھ دکھلاتا ہے پھر حلقۂ زنجیر عبث
نظر لطف سے ان کو بھی کبھی دیکھا کر ۔ کیا گزرتی ہے تری چشم کے بیماروں پہ

معشوق ۔ بی صالحہ بیوہ دن ساکنۂ کلکتہ کا تخلص تھا ۔ جو بی سیرہ متخلص بہ پری کی چھوٹی بہن تھی یہ شعر یادگار ہیں :۔

ہجر میں پہلو کو خالی دیکھکر حیران ہے ۔ پوچھتا ہے جان سے میرا جگر دل کیا ہوا

قاتل کے ہاتھ پاؤں سے سُرخی رہ گئی — خونِ شہید مار ہے رنگِ حنا نہیں

اللہ رے کس قدر مدعی سے ان کو حظ — اپنے سوا کسی کو جو پہچانتا نہیں

اس وقت آپ میری عیادت کو آئے ہیں — جب کہ گلے سے اُترتی دوا نہیں

افسوس ربط بڑھ گیا سو سے صحت واہ واہ — دیکھ لی حسرت سلامت میرزائی آپ کی

شیخ کی کیا کریں فرشتے — جانے کی وہاں مجال بھی ہو

غفلت میں ہم انکو دیکھتے ہیں — ہے خواب بھی کچھ خیال بھی ہو

باتیں تو وہ کرتے ہیں ہنسی کی — چہرے سے عیاں ملال بھی ہو

ہیں آپس میں وہم و گماں کیسے کیسے — یہاں کیسے کیسے وہاں کیسے کیسے

سہے ہم نے جورِ بتاں کیسے کیسے — اٹھائے ہیں کوہِ گراں کیسے کیسے

ملے خاک میں جورِ گردوں سے — مکیں کیسے کیسے مکاں کیسے کیسے

دل میں سمجھا چشم کا بیمار ہے — جسے میری ناتوانی دیکھ لی

تیری نظروں میں ہے یکساں نیک و بد — اے میسر قدر دانی دیکھ لی

بے مروت کر دیا اُس ماہ کو — آسماں کی مہربانی دیکھ لی

جیتے رہتے بھی تو مشکل تھی رہائی ہمکو — سنتے چھوٹے جو ترے ہاتھ سے مر کر چھوٹے

اس سے تو وصل کے ارماں میں مرنا بہتر — یا الٰہی نہ کسی سے کوئی مِل کر چھوٹے

خوب شعر کہتی تھی۔ نمونۂ کلام کے لیئے ایک شعر لکھا جاتا ہے۔

ہوگئی ہے شام اب تو تیرے کوچہ کے قریب
شب کی شب رہنے دے او ظالم ذرا منزل کے پاس

مستور تخلص تھا مستور بیگم نام تھا۔ لکھنؤ کی رہنے والی خوشحال رئیسہ اور صاحب لیاقت خاتون تھیں یہ شعر انھیں کا ہے۔

خزاں میں بھی نہ کسی سال کم ہوئی وحشت
رہا ہر اپنا گریبان بے رفو برسوں

مشتری (ط) لکھنؤ کی ایک نہایت مشہور و معروف شاعرہ شاہد بازاری تھی جس کا نام قمرن جان منجھو عرف تھا۔ اصل وطن خیرآباد ضلع سیتاپور تھا۔ مگر اب و دانہ لکھنؤ لے آیا تھا۔ چوک لکھنؤ میں رہتی تھی۔ موسیقی میں اسکو کمال تھا۔ خوشنویس بھی نہایت اچھی تھی شعر بھی کہتی تھی اور خوب کہتی تھی۔ اردو۔ فارسی دونوں زبانیں جانتی تھی۔ آغا علی شمس کی شاگرد تھی۔ مولوی عبدالغفور صاحب نساخ جب لکھنؤ آئے تو اس سے ملنے کے لئے بھی گئے تھے۔ اسکے شعر اب بھی لوگوں کو بہت سے یاد ہیں اگرچہ یہ صاحب دیوان تھی مگر مجھے صرف یہی شعر ملے جو لکھتا ہوں۔

ناحق ہیں ناز حسن سے یہ بے نیازیاں
بندہ نواز آپ کسی کے خدا نہیں

مخفی تخلص۔ سلطان جہاں بیگم نام۔ اہلیہ مرزا قادر بخش صابر گورگانی خلف مرزا اکرم بخت بہادر ابن مرزا خورد بہادر نبیرۂ مرزا معز الدین جہاندار شاہ بادشاہ دہلی شاگرد عبدالرحمن خاں احسان و مولوی امام بخش صہبائی مصنف تذکرۂ گلستان سخن یہ شعر ان سے یادگار ہیں ؎

لنڈھائی مے کہ پئیں تشنگان خاک شراب　　قسم خدا کی عبث کو بڑا ثواب ہوا

خدا جانے کیا بات ہے آئینہ میں بھی　　کہ اس ظلم پر بھی کو بھاتا بہت ہے

مخمور (ط) تخلص۔ حسینی جان نام۔ حسینی بائی عرف عام۔ ساکن محلہ دال منڈی کی ایک مشہور طوائف تھی شعر کہتی تھی اور خوب کہتی تھی۔ ملاحظہ فرمائیے ؎

کہا یہ دیکھ کے ہمارے کو یار نے کاندھا　　سفر ہے دور کا یارو قدم بڑھائے ہوئے

قرار و صبر و حواس و دل و جگر چھوٹے　　تمہارے عشق میں اپنے جتنے تھے پرائے ہوئے

شہید ہم ہیں ہمیں احتیاج غسل نہیں　　کسی کی تیغ کے پانی سے ہیں نہائے ہوئے

اگر ملے نہ قہر و غصہ کا خوف کرے　　تو کیسے عشق میں یہ شغل کیا کرے

مُزیب (ط) زین جان نام تھا۔ لکھنؤ کی ایک طوائف تھی۔ یوسف خاں یوسف ولد رحمت خاں غوری باشندۂ لکھنؤ کی شاگرد تھی۔

شاہ نصیر کی اہلیہ تھیں ۱۲۸۸ھ تک دہلی میں رہیں اسکے بعد ہجرت کر کے مکہ معظمہ ادام اللہ شرفہا میں جا رہیں شاہ نصیر کی شاگرد تھیں اکثر اشعار میں سوز و گداز عارفانہ ہوتا تھا

مجھے کیا خوف محشر ہو مبارک دن قیامت کا ۔ پکڑ لونگی میں گوشہ دامن خاتون جنت کا
عذاب گور کی سختی الٰہی کیونکہ جھیلونگی ۔ تھکا ہارا ہوا آیا ہو نمیں پہلی ہی منزل کا

محبوب تخلص سلطان جہاں بیگم نام محبوب محل خطاب تھا۔ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی منکوحہ تھیں۔ نہایت نیکدل ممتاز عفیفہ تھیں۔ شاعری سے ذوق طبعی رکھتی تھیں اور اپنے معاصرین میں ان کو ایک درجہ امتیازی حاصل تھا ایک غزل لکھی جاتی ہے۔

اُٹھا سکی نہ مصیبت فراق یار میں روح ۔ نکل گئی تن لاغر سے انتظار میں روح
نہ نکلی حسرت دل ایک بھی کہ موت آئی ۔ ہمیشہ تڑپے گی تیرے لئے مزار میں روح
جو آنا ہو تجھے مد نظر تو آ ظالم ۔ نکل نہ جائے کہیں تیرے انتظار میں روح
نہیں ہے گور کی تنگی سے کچھ ہمیں دہشت ۔ رہیگی بعد فنا کے بھی کوئے یار میں روح
ہے آرزو ترے ہاتھوں سے قتل بھی ہم ہوں ۔ لگی ہوئی ہے تری تیغ آبدار میں روح
اُسی کے حکم سے ہے موت زندگی محبوب ۔ حقیقتاً ہے مری دست کردگار میں روح

قطب الدین عرف کالے میاں کی مریدتھی صاحب دیوان گزری ہے اس
دیوان معقود ہے اور ایک شعر مستزاد کا موجود ہے ۔

ماہ کے دل میں ترا نقش محبت جو ہے یار نہ مٹے گا وہ کبھی
ملا ع حت بھی کوئی دیوے تو درکار نہیں تیرے کوچہ کے سوا

ماہ ۔ منجھلی بیگم سا کنہ لکھنؤ کا تخلص ہے جسکا اور کچھ حال معلوم نہیں ۔

گر مقابل عارض جاناں کے آکر آئے گل شرم سے بلبل کو پھر ہرگز نہ منہ دکھلائے گل
کاکل میں میرے دل کو گرفتار کر چلے کالی بلا سے ہاے مجھے مار کر چلے

ماہ ۔ تخلص منجھلی بیگم نام دہلی کی ایک مستورہ نے عصمت کا ہے ۔
ایک شعر جو لکھا جاتا ہے اُسی کے نام سے مشہور ہے ۔

ماہ کا ہیدہ ہوا جاتا ہے ابرو دیکھکر دیکھ لو سکر کے نکلا آج وہ شکل ہلال

ماہ لقا (ط) یہی تخلص تھا اور یہی نام تھا ۔ حیدرآباد دکن کی
ایک شاہد بازاری تھی جو راجہ چندولال کی سرکار میں ملازم رہ کر متمول
ہوگئی تھی اور اسی صحبت نے اُسکو شاعر بھی بنا دیا تھا ۔

پہلے ہی سے چلا کے مرے دل کو ستا مت اے مرغ سحر چپ ابھی رات پڑی ہے

مبارک تخلص ۔ مبارک النسا بیگم نام ۔ شاہ نجم الدین صغیر خلف

جعد مشکیں میں پڑا شوخ کی واں سرخ مباف
آگئی عکس سے یاں سانپ کے من میں لالی

لالہ۔ متھرا کی رہنے والی ایک ہندو طوائف تھی جو بھرتپور میں
بھی رہی تھی سُنا ہے کہ قبل از غدر ۱۸۵۷ء زندہ تھی یہ ایک شعر اُسکا ایسے
شخص سے سُنا جو مدتوں تک بھرتپور کی ریاست میں مُلازم رہے اُنھیں کا
بیان ہے کہ اگرچہ طوائف تھی مگر تعلیم یافتہ اور قابلہ تھی۔
داغ کھائے ہیں غم ہجر میں لالہ کی طرح — گل و گلزار کے مانند ہوا ب دل میرا

لطیف تخلص لطیف النسا بیگم نام تھا پٹنہ عظیم آباد کی رہنے والی
تھیں اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھیں اب ایک شعر یادگار ہے۔
طفل اشک مرے جس گھڑی مچلتے ہیں — تو پھر ہزار سنبھالو نہیں سنبھلتے ہیں

لطیف (ط) اللہ جوائی نام طوائف کا تخلص تھا۔ بارہ سو نواسی میں
علی گڈھ میں رہتی تھی یہ شعر اُسی کا ہے۔
نے کا اُس پری کے مجھے اشتباہ ہے — دروازہ کی طرف مری ہر دم نگاہ ہے

ردیف میم

ماہ۔ ایک صاحب عصمت باشندۂ دہلی کا تخلص ہے جو شاہ

واعظو ہم سے کیوں نفرت ہے — صنع پروردگار ہیں ہم بھی
آبرو کیوں ہو عزیز ہمیں — گوہر آبدار ہیں ہم بھی

گوہر (ط) تخلص۔ لعل بے بہا نام۔ لکھنؤ کی رہنے والی۔ تذکرہ نویس نے اس میں تسامح کیا ہے کہ بعد معلوم یہ یہی ہے جو لکھنؤ سے گوالیار میں چلی گئی یا کوئی دوسری ہے بہرحال اسکے نام سے جو شعر منسوب ہیں وہ یہ ہیں:-

تھا ابھی ذکر تمہارا کہ ابھی تم آئے — میری تاثیر زباں کھینچ کے لے آئی ہے
مژدہ اے شوق ہم آغوش کہ جاگے ہیں نصیب — لیکنے گورائی وہ کہتے ہیں کہ میدآئی ہے
راہ میں مل گیا تھا بھلے کو راہ — کعبہ کو جا ہی چکا تھا ترے بہکانے سے

گیتی آرا۔ یہی تخلص تھا اور یہی نام تھا۔ دہلی کی رہنے والی عصمت فروش تھی ہمارا راجی تھی پہاڑ گنج میں رہتی تھی ۱۲۸۹ھ میں زندہ تھی۔ ایک شعر اس کے نام سے مشہور ہے۔

ہمنشیں راہ میں وہ کوئی ٹھکانا نہ رہا — یا نہیں وہ رہے یا وہ رہا مارا رہا

(لام)

لالن سہارنپور میں ایک زن بازاری تھی ایک شعر اسکا حاضر ہے

آیئے ای جان عالم آیئے
اپنے بندہ پر کرم فرمائیے

عید آئی اور گیا ماہ صیام
چاند سا منھ آج تو دکھلائیے

سال بھر گزرا امید وصل میں
عید کا دن ہے گلے مل جائیے

اِک گھڑی بھی بیٹھنا دوبھر ہوا
دل کو سمجھا لینگے اچھا جائیے

وصل کو کہتا ہوں جب گوہر سے میں
ہنس کے کہتے ہیں کہ مُنہ بنوائیے

گوہر (ط) یہی تخلص تھا۔ اور یہی نام تھا۔ ایک طوائف لکھنوی الاصل تھی جو یہاں سے گوالیار چلی گئی ۔ یہ شعر اسی کے ہیں اس کو لال بی بھی کہتے تھے ۔

اے فلک اس ظلم سے کیا بڑھ گیا تیرا عروج
خاک میں ہم کو ملایا تجھ کو حاصل کیا ہوا

ہے تجاہل خونِ ناحق کے چھپانے کے لیے
اپنے بسمل سے جو خود لپٹا ہے قاتل کیا ہوا

گوہر (ط) پرتاب گڈھ کی رہنے والی ایک شاہد بازاری تھی صحبت احباب نے شاعر بھی بنا دیا تھا۔

ستم کر جور کر ظلم و جفا کر — پر اس ظالم کبھی مجھ سے ملا کر
لجا کر شرم کھا کر مسکرا کر — دیا بوسہ مگر کچھ منہ بنا کر
ہمارے دل میں ہے تصویر جاناں — جو چاہا دیکھ لی گردن جھکا کر
مچل جائینگے طفل اشک میرے — نہ حاصل ہوگا کچھ مجھ کو رلا کر

عشق کیسا بلا ہوا صاحب — کس سے کہئے یہ ماجرا صاحب
علم چھپا ہی ہوگا اپنے لئے — ہمکو کہتے ہو کیوں برا صاحب

آپ کے جاں نثار ہم بھی ہیں — عاشق دلفگار ہم بھی ہیں
مہوش دلعذار ہم بھی ہیں — اک ستم نو بہار ہم بھی ہیں
زاہد و ہم سے کیوں سمجھتے ہے — صنعت کردگار ہم بھی ہیں
امتحاں دوا تو ہووے گا — تم بھی ہو ادریار ہم بھی ہیں
درد کہتا ہے مجھ سے غربت میں — تم نہ گھبراؤ یار ہم بھی ہیں

بس کہ مجھ کو رسم دل لگی کی — ردیئے وہ حرکات کی ہنسی کی
ادو کو جو تیرے تیغ ماردھا — یہ بات تھی اک رواداری کی
جھلسی داغوں سے دل ہے گوہر
انگیا ملی ہم کو سوزنی کی

رہتی ہے شب غم مرے دل میں جو کھٹک سی
یاد مژہ یار ہے یا پھانس چبھی ہے

کیا تمکو خبر ہے شب غم کٹتی ہے کیونکر
کیا تمکو ہے معلوم کہ کیا دل کی لگی ہے

دل تم سے لگانے کا نتیجہ تھا یہی کیا
انصاف تو کیجے نظر لطف یہی ہے

آئے نہ مجھے نیند شب غم تو اُسے کیا
جو چین سے سوتا ہو اُسے کسکی پڑی ہے

بے یار کے گلزار نہیں لطف چمن کا
افسردہ مرا دل ہے کہ مُنہ بند کلی ہے

گنّا۔ (ط) تخلص اور گنّا جان نام تھا۔ لکھنؤ کی ایک شاہد بازاری تھی دو شعر تذکروں میں ملتے ہیں جو لکھے جاتے ہیں

یقین کیجئے وہ دلتسرا ہیں یا نہیں
دل طپیدہ کو پہلو میں جو قرار نہیں

بنایا مجھکو زمانہ نے آخرش چو رنگ
کیا ہے کونسا یاروں نے مجھبہ وار نہیں

گوہر تخلص۔ گوہر بیگم نام۔ ایک کابلی رسالدار کی لڑکی کا تھا۔ جب سدوزئی اور بارک زئی کے قبیلے کابل سے ہندوستان چلے آئے تو یہ خاتون بھی یہیں آئی جوامر تسر اور بقول مصنف ماہ درخشاں لدھیانہ میں رہتی تھی فارسی اور پشتو اُن کی زبان تھی مگر اُردو میں اچھی خاصی مہارت حاصل کرلی تھی چنانچہ ان شعروں سے پتہ چلتا ہے۔

کاف فارسی

گُل (ط) نواب جان طوائف آرہ کی رہنے والی تھی شعر کہتی تھی۔ موسیقی میں بھی کمال حاصل تھا گویا کہ ایک مے دو آتشہ کر کے پلاتی تھی اور ارباب ذوق کو مست ساقی تھی ایک شعر مدرنا ظرین ہے۔

کیوں شب ہجر کا دھوکا ہو مرے دل کو ؎ گُل کے رخ کی تیرے ہے اگر وصل کی رات

گلزار (ط) عباسی جان طوائف مراد آبادی کا تخلص ہے جس کی اکثر غزلیں میری نظر سے گزری ہیں زمانۂ حال کی ایک شاعرۂ عصمت فروش ہے۔ دو غزلیں اسوقت موجود ہیں وہی درج کرتا ہوں۔

عاشق تمہارا اور تو کیا مدعا کرے ؎ میری طرح سے تم بھی ہو بیکل خدا کرے

اے میں تو اے یار کیا مجھکو جس طرح ؎ یوں ہی تجھے بھی چین نہ آئے خدا کرے

روشن ہو عکس روئے منور سے گھر مرا ؎ کالا ہو منہ ترا شب ہجراں خدا کرے

گلزار یہ دعا ہے کہ گلزار دہر میں
میرے بھی دل کا پھول شگفتہ خدا کرے

میرے قلق و رنج سے اُس بُت کو خوشی ہے ؎ کس کا فر بدکیش پہ آیا مرا جی ہے

حاصل کرے زمانہ میں اعزاز آئینہ
بنجائے حسن والوں کا انداز آئینہ

کہدیگا صاف صاف سر بزم حسن و عشق
رکھتا ہی اپنے سینہ میں جو راز آئینہ

پنہاں ہیں اسمیں برق تجلی و شوق دید
گویا ہے حسن و عشق کا ہمراز آئینہ

حسن و جمال یار کا دنیائے عشق میں
پوشیدہ رکھ سکا نہ کوئی راز آئینہ

کہتا رہا فسانۂ ظلم و ستم کنیز
آیا نہ دھمکیوں سے کبھی باز آئینہ

کیفی۔ ایک شاہزادی کا تخلص تھا جو نسل تیموریہ سے تھی۔ غدر سے پہلے وفات پائی۔ ایک خمسہ جو قدسی کی غزل پر کہا ہی اُن کا یادگار ہے دو ایک بند لکھتا ہوں۔

کسکا مُنہ ہی جو کرے مدح تری میرے نبی
نعت اطہر میں ہی جب شخص ذکی مخضر غبی

حبذا ذات تری مایۂ حاجت طلبی
مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی

دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

حق تعالی نے کیا آپ کو ابرِ اکرام
تجھ سے خنداں ہی لب غنچۂ امید انام

ہیں شجر اور حجر غرق سحاب انعام
نخل بستان مدینہ ز تو سر سبز مدام

زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں لقبی

سر پہ جو ترا سایۂ دیوار نہیں ہے　　تنہا مجھے فردوس بھی درکار نہیں ہے

کس دل میں تری حسرتِ دیدار نہیں ہے　　خواہاں ترا کون اے شہ ابرار نہیں ہے

جس سر کو اللہ نے فرمایا ہی سے　　جبریل بھی کچھ اس سے جدا نہیں ہے

یا شاہ ملا ہے مرا آپ کے ہاتھوں　　بیکس ہوں کوئی میرا مددگار نہیں ہے

محروم قیامت میں شفاعت سے رہیگا　　پچھتائیگا جو شخص گنہگار نہیں ہے

ہم داغ غم عشق سہی سے ہیں توانگر　　پروا نہیں رکھتے ہیں جو دینار نہیں ہے

بیچین ہوں بلوا لو مدینہ میں خدارا　　بیتاب ہوں قابو میں دل زار نہیں ہے

مدفن ہیں چراغوں کی طرح داغ محبت　　تربت میں اندھیرا مری سرکار نہیں ہے

اُس دل کو کنیز اہل وفا کہتے ہیں پتھر
جس دل میں ولائے شہ ابرار نہیں ہے

کنیز تخلص۔ کنیز فاطمہ نام۔ چودھری نعمت اللہ صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ کی صاحبزادی ہیں۔ دور موجودہ کی ایک خوشگو شاعرہ ہیں۔ رسالوں میں غزلیں شایع ہوتی رہتی ہیں چنانچہ یہ غزل رسالہ اُمید اگست سنہ ۱۹۲۳ء سے نقل کیجاتی ہے کلام سے حسن مذاق وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔

کنیز تخلص تھا فاطمہ بیگم نام تھا اعتماد الدولہ بہادر لکھنوی کی دختر کی ایک لونڈی کا۔ جو نہایت ہی حاضر جواب قابل شوخ و طبیعت تھی۔ پندرہ برس کی عمر میں تحصیل علوم ضروری سے فراغت حاصل کر چکی تھی کبھی کبھی شعر بھی کہتی تھی۔ مگر فلک کج رفتار کسی کے علم و کمال کو کبھی سیدھی نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ ابھی یہ نوجوان کنیز پوری بیس برس کی بھی نہ ہوئی تھی کہ یکایک جس سے دو چار ہو کر جان فریں کو جان سپرد کر گئی یہ شعر اسی کے ہیں۔

جانتے بھی ہو پر یوں کہا کرتے ہو کیا
مرتے ہو زندہ کرتے ہو قیامت کرتے ہو

نقاش نے لب کا جو نقش کھینچا
ساعد یہ نہ پہنچا تھا کہ جو ہاتھ کھینچا

وصل کی شب ہو گا کیا حاصل ہمیں غمزے سے
جب تلک تم بند کھولو گے سحر ہو جائیگی

کنیز تخلص ہے اور کنیز فاطمہ نام ہے۔ سرکار برہی جو زمانہ حال کی ایک نکتہ رس سخن سنج ہیں ان کو اصلاح بھی دیتی ہیں اور تعلیم و تعلم میں وہی ان کے استاد ہیں سنہ ۱۹۱۰ع میں پھلواڑی گنج میں رہتی تھیں اب بھی شاید وہیں ہوں کچھ صحیح معلوم نہیں نمونہ کلام یہ ہے۔

رضواں تری جنت مجھے درکار نہیں ہے
طیبہ کا ترے باغ میں اک خار نہیں ہے

وہ لڑکھڑ کے بھاگنا جب یاد آتا ہے
میرے جگر پہ سانپ سا اک لوٹ جاتا ہے

میری کمائی لوٹ لی تونے جو کہ تھا | برباد میں ہوئی تجھے کیا ہاتھ آ گیا
مجھ دل جلی کے گھر میں فقط اک چراغ تھا | بیدرد تونے ہائے اُسے بھی بجھا دیا

اے موت لے گئی تو کلیجہ نکال کر
اس غم سے کیوں کہ ہو وے نہ ٹکڑے مرا جگر

یہ ما نا حکم حق سے توبے اختیار ہے | سدو کی جان لینے میں مصروف کار ہے
موت و حیات مرضی پروردگار ہے | راہ گریہ اور نہ جائے قرار ہے

پر دل کے ہاتھوں تنگ ہوں صد مکر جو تنگ ہے
بے بس ہوں فطرت کے سے بیجا حرج بس ہے

نظم بہت طویل ہے مگر مونہ کلام اس سے زیادہ بے لطف سا معلوم ہوتا ہے اس لیے اس کو یہیں پر ختم کرتا ہوں ۔

کمن (ط) یہ بھرت پور کے بازار کی ایک بھٹگیرن تھی کبھی کبھی لستہ میں شعر بھی کہہ گزرتی تھی۔ یہ شعر جو سب کہا ہے ریختی کا انداز ہے

آہ میں ہوتی اگر حضرت تیسیر کے ساتھ | مارتی تم موے کو ستی تیر کے ساتھ

کثرت سے غم کی جان نہ کھوئے تو کیا کرے

چین آئے کیونکہ سینہ سے قلب و جگر گیا دیکھوں جہاں میں کیا مرا نورِ نظر گیا
افسوس میرا لاڈلا اک دم میں مر گیا ہے ہے مٹا گیا مجھے برباد کر گیا

ہے بیقرار دِل مرا سیماب کی طرح
تڑپوں ہوں غم سے ماہی بے آب کی طرح

وہ دن کہاں گئے کہ وہ تھا شمع آرزو گھر میں اُجالا ہو رہا تھا جس سے چار سو
ہی ہی یہ کیسی چل گئی بے وقت گرم لو نغمہ کے بدلے باغ میں ہے شور ہائے وہو

افسوس جڑ سے نخل تمنا اُکھڑ گیا
دم میں ہرا بھرا مرا گلشن اجڑ گیا

آنکھوں میں میری آج سیہ ہو گیا جہاں اُٹھتا ہے دل سے حسرت و ارمان کا دھواں
نکلے نہ کیونکہ دل سے مرے نالہ و فغاں افسوس لٹ گیا مری بستی میں کارواں

کچھ رحم آیا مجھ پہ نہ اے آسماں تجھے
جل جل کے کیوں بھلا نہ میں دوں گالیاں تجھے

جب بھولی بھولی شکل کا آتا ہے مجھکو دھیان گودی میں لیٹ کر وہ سُنانا کہانیاں
وہ دھیمی دھیمی گفتگو اور توتلی زبان دن رات میرے دل میں چبھوتی ہیں برچھیاں

اگرچہ نظم طویل ہے مگر پڑھنے سے دل میں کیف لطیف پیدا ہوتا ہے اور ایک حدیثِ غم کی مجسم تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ یہ خاتون خاص دہلی یا نواح دہلی کی رہنے والی معلوم ہوتی ہیں۔ زبان اور کلام کا طرز اس کا شاہد ہے۔

کثرت سے غم کی سینۂ دل داغ داغ ہے　　　یاس بسیر سا ہا پرستیاں دماغ ہے
ناکامیوں سے خانۂ دل بے چراغ ہے　　　ایسے بھی ہو گئے کہ غم سے فراغ ہے

اپنی تو ہائے زیست مصیبت میں کٹتی ہے
رنج و الم میں غم میں اذیت میں کٹتی ہے

سو سو مصیبتوں سے میں پالا اسیر تھا　　　اِس بدنصیب گھر کا اُجالا اسیر تھا
صورت میں حور میں سے نرالا اسیر تھا　　　میرے چمن کا سرو دو بالا اسیر تھا

چڑھتی جوانی ہی میں قضا اُس کو کھا گئی
برچھی لگا گئی مجھے رحمی سا گئی

بیٹھے بٹھائے مجھ پہ تو بپتا سی پڑ گئی　　　برچھی غموں کی ہائے کلیجہ میں گڑ گئی
افسوس یک بیک مری قسمت بگڑ گئی　　　کیسی ہری بھری مری کھیتی اُجڑ گئی

دکھیاری غم کی ماری نہ رو ئے تو کیا کرے

وہ حاضر ہیں۔

کہتے جاتے ہیں مریں دل کے لگانیوالے	ہمنے دیکھے ہی نہیں ایسے ستانے والے
پی چکے جام ترے ہاتھ سے جو ای ساقی	حشر تک اب وہ نہیں ہوش میں آنیوالے
چاہیئے تجھکو بھی ہو لاش اٹھانے میں شریک	دفن ہوتے ہیں ترے ناز اٹھانیوالے
دوست کا نام لیں کر سٹر لیں دم بھر	وقت آخر مجھے لیسین سُنانیوالے
قتل کرنیکی ضرورت ہو تو کر قتل ہمیں	او شب و روز کے تلوار دکھانیوالے
دل وہی عاشق بسمل کی نہیں کرتے ہیں	شب وعدہ بھی ہیں وہ رُٹھ کے جانیوالے
آج جو عہد کیا کل اُسے توڑینگے ضرور	کیسے جھوٹے ہیں یہ قرآن اُٹھانیوالے

ناز سے ہم تو بتوں کے ہوئے تنگ اے کامل
کعبہ کی سمت ہیں اب ہند سے جانے والے

جو کچھ کہ عہد ہے ترا پورا ابھی کر اُسے	او بیوفا تجھے ترے ایمان کی قسم
جبتک کہ دم میں دم ہے کہونگا میں بس یہی	دیتا ہوں تجھ پہ جان تری جان کی قسم

کلثوم۔ کسی شریف خاتون کا تخلص ہے۔ جس پر نام کا دھوکا ہوتا ہے مگر یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ نام کچھ اور ہے۔ ایک نظم ایک اجڑے دل کی فریاد کے نام سے رسالہ عصمت دہلی میں دیکھی جسکو نقل کیے دیتا ہوں

کاف تازی

کافرؔ - فرخ جمال شاید نام ہے جہاں آباد دہلی عیسیت کی رہنے والی ہیں
عربی و فارسی کتابیں پڑھی ہیں مسلم گرلس اسکول علیگڈھ میں بھی تعلیم پائی ہے
والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا ہے اب آپ کا شغل صرف بچیوں کو تعلیم دینا
اور مطالعۂ کتب کرنا ہے ایک نظم یا غزل نظر سے گزری درج کرتا ہوں

مستی ستیہ کا رشتہ اس اُٹھا ۔۔۔ حسن میکدہ میں پہونچے جام ترا اُٹھا
ساقی سے کر رہا ہے شکوے تشنہ لب اُٹھا ۔۔۔ کشتی میں کتنک جام ترا اُٹھا
شرم و حیا نے جھکر خود آئینہ دکھایا ۔۔۔ شیاسوں نے بڑھکر طرف نقاب اُٹھا
اُٹھتی نہیں نگاہیں شرم ای گناہ اُلفت ۔۔۔ ہم اُن سے کر رہے ہیں کافرؔ حجاب اُٹھا

کاملؔ - زمانہ حال کی ایک تعلیم یافتہ نوجوان مسلمان سُنی المذہب
خاتون پردہ نشین کا تخلص ہے جس نے اپنا کلام اس تذکرہ کے لیے
عنایت کرتے ہوے ایسے نام وطن وغیرہ کے چھپانے کی خاص تاکید
کردی ہر اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ نام لکھکر یا مسکن و مولد کا پتہ دے کر
ہمیشہ کے لئے اُن کو اپنی طرف سے بدگمان کریں شعر خود دیے گئے ہیں

ہوئی ہوں تشنۂ جام شراب نزع کیوقت
اُٹھونگی حشر میں ساقی سبو سبو کہتی

کریں کہ مدد منہ بند غنچے سب اپنا
میں لکھتی معما ہوں اُسکے دہاں کا

قمر - صرف تخلص ہی معلوم ہے - جناب سید حسین صاحب کی صاحبزادی ہیں - ایک نظم ساون کے عنوان سے نظر سے گزری نہایت اچھی نظم ہے اُسی پر اکتفا کرتا ہوں - بعد کو معلوم ہوا کہ آپ دیوے شریف کی رہنے والی ہیں -

اُٹھی انگڑائیاں لیتی جو گھٹا ساونکی
چلی بَل کھاتی ہوئی بادِ صبا ساونکی

تیرے بیمارِ محبت کو سُلانے کے لیئے
رات بھر لوریاں دیتی ہی ہوا ساونکی

جھولا پھولونکو جھلاتی ہی گلستاں میں بہار
جوشِ مستی سے مگر تن کے ہوا ساونکی

ہوگئے زخم مرے دل کے ہرے آپ سے آپ
ٹھنڈی ٹھنڈی جو چلی مجھ پہ الٰہی ہوا ساونکی

دامنِ دل ہیں لئے تازہ گل جذبۂ عشق
ناز کرتی ہوئی آتی ہی گھٹا ساونکی

میں تھا وہ تفتہ جگر قبر پہ میری اب تک
چادرِ برق چڑھاتی ہی گھٹا ساونکی

مانگ لو بھائی سے انعام سنا کر یہ غزل
مُجھ سے کہتی ہے قمر اُٹھ کے گھٹا ساونکی

* * * * *

تیرے جاں ساروں کو بس کافی ہے شمشیر نگاہ
قتل عاشق کے لئے کیا تیغ آہن چاہیئے

گل سودا شگفتہ ہیں مجھ میں جو بہاری ہر | نسیم آہ کا جھونکا یہاں بادبہاری ہر
یہ پوچھو اے ہمنشیں ہم سے تیرے فرقت کی بیتابی | الم ہر درد و حسرت ہے فغاں ہر آہ و زاری ہر
کہے اے ستارے کفش سے تیرے متاں | روش گلزار کی ہر ایک ترس رنگاری ہے

قمر تخلص قمر النساء بیگم اشرف علی خان حسرت کی اہلیہ تھیں ان دونوں میں نہایت محبت و اخلاص تھا۔ اسی محبت و اخلاص کی وجہ سے ایک کو دوسرے کی جدائی اتنی گوارا نہ تھی کہ زندہ رہ سکے اور اسی وجہ سے تین روز کے فاصلہ سے ایک دوسرے کا انتقال ہوا۔ مجھے افسوس ہے کہ ان حالات کے سوائے سکونت وغیرہ کا کسی تذکرہ سے پتہ نہ چل سکا۔ مجبوراً نقل پر اکتفا کی نہ یہ معلوم ہو سکا کہ یہ شاعرہ کب اپنی سحر سخنی سے اہل ذوق کے لئے سامان ضیافت طبع بہم پہونچاتی تھی بہر حال جو شعر ملے وہ درج کرتا ہوں

جسے لوگ کہتے ہیں عرش رشید رحشاں | ستارہ ہے اک میرے سوز نہاں کا
مری آہ کی کارفرمائیاں ہیں | پتہ لامکاں تک نہیں آسماں کا
وہاں حسرت دل کو رلیت ہوجاتی | جو تم سے لطف سر لف مولکھتی

بارہ سو اکیاسی ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا یہ شعر ایک تذکرہ کے واسطے
خود ہی عنایت فرمائے تھے ۔

دلِ ناشاد کو تم نے نہ کبھی شاد کیا — بھول کر بیٹھے ہیں پھر نہ کبھی یاد کیا
مرکے بھی خو نہ گئی بادہ کشی کی زاہد — حشر میں ساقی کوثر کا نہ داماں چھوٹا
روز و شب کرتی ہے بلبل یہ قفس میں فریاد — ہائے کیا فصل بہاری میں گلستاں چھوٹا
لیگیا قیس یہ بھی تو تمھارا وحشی — مرکے بھی دست جنوں سے نہ گریباں چھوٹا
دعویٰ تھا عبث یار مسیحائی کا تمکو — اچھا نہوا ایک بھی بیمار تمھارا
داغ سودا سر پہ ہے یا ہے زنجیر شعاع — ہے پری رو تیری الفت میں یہ حال آفتاب
گر مقابل ہو تمھارے روئے آتشناک سے — بدر کی صورت گھٹے ہر دم کمال آفتاب
سوزش داغ دل بیتاب سے پایا فروغ — آئے ایسا بھلا کب تھا جلال آفتاب
عشق خط صنم کا تھا اللہ یہ گناہ — بہر عذاب آئے ہیں مرقد میں مار سبز
گر آب زندگی بھی تو برسائے ابر تاک — کشت امید وصل ہنوز نہیں بہار سبز
اے مے کشو تکلف ساقی تو دیکھنا — شیشے میں سرخ جام مے خوشگوار سبز
شیدا ہیں چشم پرفن آہوئے شکار کے — گلشن میں کب ہے نرگس بیمار سے غرض
ہوں وہ سرگشتہ کہ بعد مرگ ہی جوش جنوں — لوح مرقد کے لئے سنگ فلاخن چاہیے

قادری قادری بیگم نام تھا۔ کاملہ بیگم متخلص بہ جعفری بیگم دہلی کی رہنے والی کی چھوٹی بہن تھیں اور شاہ نصیر مرحوم کی شاگرد تھیں یہ غزل جو درج کیجاتی ہے انھیں کی فکر کا نتیجہ ہے

شرط وفا یہ تھی غیر کے گھر جائیے	کچھ تو حیا کیجئے جی میں تو شرمائیے
ترس خدا چاہیے اور ستم کیسا تجھے	عاشق رکھو کو اتنا نہ ترسائیے
لب سے ہم کیجئے اپنے لب لعل کو	شرم نہ کچھ کیجئے چھاتی سے لگجائیے
میں ہوں فقط اور تم نام نہیں غیر کا	پاؤں مری گود میں شوق سے پھیلائیے

ہجر میں اے قادری سخت ہی مضطر ہے دل
ایک دن اس سے ضرور ملنے کی ٹھہرائیے

قمر تخلص حیدری بیگم نام طلعت عرف مرزا ہمایوں بخت کی صاحبزادی مرزا محمود علی قوس کی ہمشیرہ واحد علی شاہ آخری تاجدار اودھ کی حرم محترم تھیں۔ بیحد ذہین طبیعت دار۔ خوش مزاج حاضر جواب برجستہ بظریفہ لطیفہ گو تھیں۔ موسیقی میں بھی حسب ضرورت دستگاہ بہم پہونچائی تھی۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں بہترین شعر کہتی تھیں بادشاہ کے ساتھ کلکتہ بھیجدی گئی تھیں آخر عمر تک وہیں رہیں سنہ

ہمارے قتل کی تدبیر بے تقصیر ہوتی ہے نگاہِ پاک کی شاید یہی تاثیر ہوتی ہے

فریدن (ط) میرٹھ کی ایک نامی طوائف تھی۔ دہلی میں بھی عرصہ تک رہی تھی۔ مالدار بھی تھی اور بامروت بھی تھی کبھی کبھی فکر شعر کرتی تھی۔ حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان سے اصلاح لیتی تھی۔ اب سے تقریباً ۸۰۔۹۰ برس پہلے زندہ تھی۔ ایک شعر اُس کا تذکروں میں ملتا ہے جو درج کیا جاتا ہے۔

ایک ہی زبان رکھو تو ہمکو زبان دو کرتی ہے روسیاہ قلم کو زبان دو

قاف

قاتل (ط) یعنی عجوبہ جان طوائف فیروزآباد ضلع آگرہ کی رہنے والی تھی۔ مہذب اور خوش مذاق تھی طبیعت موزوں پائی تھی جب چاہتی شعر بھی کہہ لیا کرتی تھی۔ یہ شعر اُسی کے ہیں۔

صدا جو جھانجھ کی پہونچی ہمارے کانوں میں تو شوق دل نے نکالا مزار سے ہمکو

فقیر عشق ہیں قاتل خدا کے بندے ہیں
امید وصل ہے پروردگار سے ہمکو

یہ شعر بعض تذکرہ نویسوں نے اس کے نام سے لکھدیا۔ مگر یہ تصحیح طلب ہے
اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک صاحب جو فاطمہ کے اُستاد تھے ایک روز
یہ مصرعۂ اولیٰ پڑھ رہے تھے حاضر جواب فاطمہ نے فوراً دوسرا مصرع لگا دیا

فاطمہ یہی تخلص تھا اور نام بھی یہی تھا آگرہ کی رہنے والی تھیں
خوب شعر کہتی تھیں نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

نازک دماغ وہ ہیں تو یاں بھی ہے تمکنت ہم خود بھی ایسے ہیں کہ منایا نہ جائیگا

ماہ درخشاں کے مصنف نے یہ شعر غلطی سے فاطمہ دہلوی کے نام
سے موسوم کر دیا ہے۔

فرحت (ط) فرحت بیگم نام تھا فیض آباد کی ایک حسین شاہد بازاری
تھی غدر میں زندہ تھی خوب شعر کہتی تھی موسیقی میں بھی دستگاہ رکھتی تھی

میں حلوں اور کرے غیر سے یوں گرم عمل دیں ٹھنڈک ہو مرے تو بھی ہے حق سا

دل لگایا ہے تری زلف رسا سے کچھ ہو سانپ کو چھیڑ لیا اب تو بلا سے کچھ ہو

میں نہ چھوڑونگی سر زلف بتاں ای واعظ میری کیا تجھ کو پڑی تیری بلا سے کچھ ہو

فرخ (ط) تخلص ایک شاہد بازاری کا ہے جو کاٹھہ کی رہنے والی تھی
ایک مطلع محفوظ ہے جو سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

دہقان کی پیاری لڑکی ندی پہ جلوہ زا ہے
ساری کا سبز آنچل سر سے ڈھلک رہا ہے

چتون کی سادگی میں اک برق شعلہ زا ہے
جس پر نظر پڑی وہ شعلہ بنا ہوا ہے

ہونٹوں میں ہی تبسم نظریں جھکی ہوئی ہیں
معصوم حسن بیخود انگڑائی لے رہا ہے

ہاتھوں میں چوڑیوں کی رنگین لہریاں ہیں
اک نیم باز غنچہ کانوں میں ہنس رہا ہے

معصوم سادگی میں لاکھوں تجلیاں ہیں
ماتھے کا سرخ ٹیکا چھپکا بنا ہوا ہے

مژگاں میں مست پتلی رقصاں ہے یا ستمگر
کالی گھٹا میں کوئی انگڑائی لے رہا ہے

گیسو سے نرم جھونکے کچھ چھیڑ کر رہے ہیں
ان پیاری انکھڑیوں میں ساغر چھلک رہا ہے

بجلی تڑپ رہی ہے ہر ہر نظر میں قاتل
ہر اک ادا میں ظالم شعلہ بھڑک رہا ہے

معصومیت کی پتلی دیوی نزاکتوں کی
تیری ادائے سادہ جنت نہیں تو کیا ہے

فا،

فاطمہ تخلص تھا۔ اللہ داد کے نام سے مشہور اور موسوم تھی۔ مدرسۂ زنانہ دہلی میں فارسی پڑھاتی تھی ۱۲۸۹ھ تک زندہ تھی ایک شعر مل سکا

آپ کی مرضی ہمنے پائی ہے
پھر یہ کیوں لیت و لعل ڈالی ہے

غین معجمہ

غریب۔ یہ تخلص تھا۔ اصلی نام امیر النساء تھا۔ میر برکت علی ساکن ٹپہ کی منکوحہ تھیں شعر و شاعری سے قدرتی دلچسپی تھی نمونۂ کلام یہ ہے۔

لو اور وہ تو جلنے لگا میرے نام سے ۔۔۔ دل سرد آپ تو آہ شرربار نے کیا

کھلتا نہ تا بمرگ مرا یہ معاملہ ۔۔۔ رسوائے شہر مجھکو دلِ زار نے کیا

دلکو دریدہ جلایا مثل شمع کیوں غریب ۔۔۔ وہ جو پروانہ ہو غیروں پر تو ہو کچھ غم مگر

گر صبا میں جگہ اسکے نہیں کرتی تو خیر ۔۔۔ اسقدر بھی مجھ سے اُس مہوش کے رحم کر

غزالہ تخلص میمونہ خاتون نام زمانۂ حال کی ایک خوش مذاق خوش فکر شاعرہ ہیں۔ رابعہ خاتون پنہاں کی حقیقی چھوٹی بہن ہیں۔ بریلی آپکا [illegible] ہے۔ جب سے آپکی شادی ہوئی ہے آپ غزالہ مسز احسان کے نام سے مشہور ہیں آپ کی بعض بعض غزلیں نظر سے گزریں ایک نظم بطریق نمونہ حاضر ہے جس سے ان کی جودت طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔

ندی کے کنارے

منصبدار ریاست حیدرآباد - حیدر ظہیر دہلوی کی شاگرد ہیں ۱۹۱۰ء کے ایک رسالہ میں آپکی یہ غزل چھپی تھی جو درج کرتا ہوں۔ آپکی شاعری سے زباندانی کا پتہ چلتا ہے۔

مرتا ہوں کوئی ہائے مددگار نہیں ہے	دل جسنے لیا وہ بتِ عیار نہیں ہے
بوسے کی طلب پر نہ کہو پھیر کے منہ ہاں	انکار کا پہلو ہے یا اقرار نہیں ہے
لاکھوں ہیں حسیں دیکھنے کو حسن میں لیکن	تم سے تو کوئی بڑھ کے طرحدار نہیں ہے
سنتا نہیں احوال کوئی کسکو سنائیں	ہمدرد نہیں ہے کوئی غمخوار نہیں ہے
ہم تجھ پہ فدا ہوتے ہیں اور ہمسے یہ کھنچنا	لازم تجھے اے خنجرِ خونخوار نہیں ہے
حیرت ہے ملا آئنہ کو بختِ سکندر	قسمت وہ ہماری ہے کہ دیدار نہیں ہے

رونے کے لیے میرے جنازہ پہ اب عفت
جز یاس و الم کوئی بھی غمخوار نہیں ہے

عیدو - دہلی کی ایک شاہد عفت فروش عصمت نا آشنا کا تخلص تھا۔ آخر میں کسی شریف سے نکاح کر لیا تھا۔

غنچہ کو برگ گل کو دکھا مانی سے کہدو
تصویر میں کھینچے دہن ایسا کمر ایسی

ترقی ہے۔ اگر یہ ترقی ہے تو اُردو کی یہ ترقی معکوس دیکھکر اُردو کا ماتم کرنا چاہیئے۔

وقت ماراین ست حسن یاراین ست

تارا دمک رہا ہی کہرہ مسک رہا ہی — بادل سرک رہا ہی بلبل چہک رہا ہی
غنچہ چٹک رہا ہی جلوہ ٹپک رہا ہی — سبزہ لہک رہا ہی سیلا مہک رہا ہی
پتا لچک رہا ہی قطرہ ڈھلک رہا ہی — ساغر چھلک رہا ہی شیشہ جھلک رہا ہی

وقت ماراین ست حسن یاراین ست۔

شفاف آسمان ہی دریا سا اک رواں ہی — باد صبا دواں ہی کیسا حسیں سماں ہی
غنچہ سرک جواں ہی ہر پھول گلستاں ہی — جلوہ ترا عیاں ہی ہر گل میں تو یہاں ہی
کیا جوش طائراں ہی ہر ایک تر زباں ہی — دریا صحیفہ خواں ہی موجوں میں اک اذاں ہی

وقت ماراین ست حسن نماز این ست

غرض کہ پانچ چھ اسی قسم کے بند لطرے گہرے الفاظ کے انبار کے انبار ہیں معنی ندارد۔ اور وہ مصرع جو آخر میں رکھا ہے جدا معلوم کیا ہے میں کچھ نہیں سمجھا۔

عفت۔ یہ تخلص معلوم ہے مگر نام معلوم نہیں ترک علی شاہ

گرمیٔ عشق مانع نشو و نما ہوئی　　　میں وہ نہال تھا کہ اگا اور جل گیا

عصمت - ایک عصمت آب خاتون ساکنۂ دہلی کا تخلص تھا جو ۱۹۲۶ء

میں مدرسۂ تعلیم مستورات میں لڑکیوں کو پڑھاتی تھیں اُنکی قابلیت مسلمہ تھی

اُس کے بارہ میں زیادہ لکھنا تحصیل حاصل ہے -

لعل لب جاں بخش ہر گویا ورق گل　　　اور رخ پہ پسینا ہے ترا جوں عرق گل

یوں نرمۂ گوش اُسکا لچکتا ہی گہر سے　　　شبنم سے لچک جاتا ہی جیسے ورق گل

لب ہوے بند نام احمد سے　　　اور مشکل کشا نے کھول دیے

عفّت - تخلص نجم النسا بیگم نام تھا - مولوی مقصود عالم مقصود

ساکن ہاپانی کی شاگرد تھیں - نہایت قابل تھیں صاحب دیوان گزری ہیں

ہم جو ایجان جہاں تمسے بچھڑ جاتے ہیں　　　صدمے ہوتے ہیں قلق ہوتے ہیں گھبراتے ہیں

عفّت - زمانۂ حال کی ایک شاعرہ کا تخلص ہے جو رنگ جدید میں

شعر فرماتی ہیں ملاحظہ فرمائیے - اصل یہ ہے کہ جدید رنگ جسکی بنیاد بعض

ناعاقبت اندیشوں کے دماغ نے ڈالی ہے صرف الفاظ کا گھروندا ہے

کہیں کہیں نہ سجھر سمجھ میں آتی ہو اور نہ طبع سلیم کو صحیح صحیح یہ اندازہ ہو سکتا ہے

کہ شاعر کا مطلب کیا ہے اور وہ کیا کہنا چاہتا ہے - کہا جاتا ہے کہ یہ

عالم وطلبگار ترے ہونگے اسی دن — جب تارہ ستم کوئی بھی ایجاد کریںگے

گزاری رات ساری تارے ہی گن گن کے عالم نے

ہوا تب کو جو دھوکا اپنے اختر کا ستاروں میں

عزت ۔مظفر نگر کی ایک لائق فائق خاتون ہیں ۔

میں اپنی آہ کی تاثیر کے فدا عزت — کہ حرم غیر سے یاں اسکو کھینچ لاتی ہے

قافیہ تنگ ہوا اہل سخن کا کیونکر — ہے مرے شعر میں مضمون کمر وکاکل کا

عزیز (ط) عزیز جان طوائف دہلی کی رہنے والی کا تخلص جو سعادت یار خاں رنگین سے اصلاح لیتی تھی۔ نہایت شوخ چنچل عورت تھی شعر و شاعری کو تفنن طبع نہ سمجھتی تھی بلکہ اس کو بھی منجملہ دیگر فنوں کے ایک مستقل فن سمجھ کر کرتی تھی ۔

جب کہ باغ و بہار دیکھیں گے — ایک گل کیا ہزار دیکھیں گے

تم نہ دیکھو گے گو ہمیں اک بار — ہم تمہیں بار بار دیکھیں گے

عشرت ۔ نواب عشرت محل واجد علی شاہ مرحوم سابق شاہ اودھ کی حرم عالیہ کا تخلص تھا بادشاہ کے ساتھ کلکتہ چلی گئی تھیں اور آخر تک وہیں رہیں ۔

وفات ۱۲۸۶ھ ظاہر کرتے ہیں۔ جو یا مرحوم نے اُنھیں کے مصرعہ کو تضمین
کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

یہ کرامت اُسکی ہی جو یا کہ خود فرمادیا — تا قیامت رحمت خلاق باری قبر کو
کشتہ ہیں ای لاغری ہم تا گندم گوں کے جو — ہی شکن گندم کی بس کافی ہماری قبر کو

عالم۔ یہ تخلص زوجۂ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ متخلص بہ اختر کا تھا
جو آخر میں کلکتہ میں رہیں۔ نہایت عمدہ شعر کہتی تھیں۔ ستار بجانے میں بھی
مہارت تامہ رکھتی تھیں ان سے ایک مثنوی اور ایک دیوان یادگار ہے
مصنف تذکرۃ الشاعرات کی نظر سے وہ دیوان گزرا ہے اور اُنھوں نے
انتخاب کلام درج کیا ہے میں بھی اُسی انتخاب کو بجنسہ نذر ناظرین
کرتا ہوں۔

گیسوئے خمدار اُسکے رخ پہ بل کھانے لگا — سینۂ عشاق پر بس سانپ لہرانے لگا
بیقراری کیا بیاں ہو اس دل بیتاب کی — شور وا فغاں سے ہمارے عرش تھرانے لگا
اجاڑے دیکھیے کس کس کے آشیانے کو — یہی چمن میں ہے اب چار سو فغاں صیاد
اے باغباں چمن میں یہ کہدے پکار کے — لو بلبلو چلو کہ دن آئے بہار کے
وحشی وہ ہوں کہ قیس نے بھی بس تبرکا — گنڈے بنا کے پہنے گریباں تار کے

دل ہی میں چھپا رکھتے اگر رازِ محبت　　اس دکھ کا علاج آپ ہی دشوار کرتے

دیوانگی عشق ہے سرمایۂ راحت　　تم پھول میں پیدا خلشِ خار کرتے

منظور نہیں مجھ کو تنک ظرفیٔ معشوق　　دنیا پہ عیاں حال دل زار کرتے

اتنا بھی نہ تھا مادۂ ضبط جو تم میں

بہتر تو یہی تھا کہ مجھے پیار کرتے

یہ غزل مدرعشق کے عنوان سے آئینہ اگست ۱۹۲۳ئ میں چھپی تھی

تلمیح طلب معلوم ہوتی ہے۔ مگر مقتبس را در وں جانہ چہ کار

عین مہملہ

عابدہ تخلص نواب مراد بیگم صاحبہ مرحومہ مغفورہ کا ہے جو نواب محمد یوسف علیخاں صاحب بہادر مرحوم سابق حکمراں رامپور کی دختر بلند اختر تھیں اور نواب محمد زین العابدین کی جو رامپور میں وجدار تھے محل خاص تھیں۔ علم و فضل میں یکتائے زمانہ اور اپنے عہد کی یگانہ تھیں۔ ایک دیوان فارسی۔ ایک اردو۔ اور ایک مثنوی متعلق شکاراں سے یادگار رہے مگر افسوس کہ کلام دل نہ سکا جو تو دو شعر تذکرہ جمیل المدار سے نقل کرتا ہوں جو مرحومہ کی تاریخ

طلب کو طلب تھی جو دیدار کی کھلی رہ گئی آنکھ بیمار کی

ظاے معجمہ

ظرافت ۔ صاحب گلستان سخن نے لکھا ہے کہ یہ ظریف ایک پردہ نشین عورت ہے ۔ پہلے شاید شاہد بازاری تھی مگر تائب ہو کر نکاح کر لیا شاعرۂ خوش گو تھیں یہ اُن کا کلام ہے ۔

اُس کے لب ہیں شراب سے بہتر حُسن ہے آفتاب سے بہتر

ظریفہ ۔ باوجود تلاش نام و حالات مسکن وغیرہ کے پتہ لگانے میں کامیابی نہ ہو سکی البتہ یہ معلوم ہو گیا کہ دور موجودہ کی ایک نازک خیال شاعرہ ہیں شعروں سے مشق شعر کا پتہ چلتا ہے ۔ مگر جیسا کہ تخلص ہے ویسے اشعار نہیں ہیں ۔ بلکہ شعروں سے سوز و ساز کے ساتھ ایک متانت ظاہر ہوتی ہے ملاحظہ فرمائیے ؎

بہتر تو یہی تھا کہ مجھے پیار نہ کرتے کرتے بھی تو رسوا سر بازار نہ کرتے
میں آپ دکھاتی تمھیں سو رنگ کے جلوے تم حسرت دیدار کا اظہار نہ کرتے
جذبات کی رَو میں مجھے معبود بنا کر اے کاش تم اپنے کو گنہگار نہ کرتے

طائے مہملہ

طاہرہ - یہی نام ہے اور یہی تخلص ہے۔ دہلی کی ایک پردہ نشین عفت مآب خاتون ہے۔ زمانۂ حال کی شاعرہ ہے مگر کبھی اپنا کلام کسی گلدستہ یا رسالہ وغیرہ میں نہیں دیتیں میرے لیے بھی صرف ایک دو شعروں کے چھاپنے کی اجازت ہے اگرچہ مجھے اس سے زیادہ حال معلوم ہے مگر لکھنا میرے اختیار میں نہیں ہے شعر یہ ہیں۔

ظلم صیاد کا گلشن سے عیاں ہوتا ہے پتے پتے کی زباں سے وہ بیاں ہوتا ہے
جب تلک ہے جہاں میں جگر چاک ہی رہا تا سد گل کے ہم بھی بڑے بدنصیب ہیں
مرنے پہ مرے دل کو پریشاں نہ کرنا پھولوں کی طرح چاک گریباں نہ کرنا
فرماتے ہیں ہر بات پہ دل توڑ کے میلر انسان ہو تو اب کوئی ارماں نہ کرنا

طلب صاحب تذکرۂ شمیم انداز کا بیان ہے کہ ایک مجہول الحال عورت کا تخلص ہے۔ مگر مصنف ماہ درخشاں کہتا ہے کہ یہ دہلی کی ایک پردہ نشین تھیں انھوں نے طالب تخلص لکھا ہے مگر شعر پر خیال کیا جاتا ہے تو طلب تخلص صحیح معلوم ہوتا ہے۔

دیکھی گئی نہ ہم سے ہنسی اُسکی غیر سے
رُکا گیا نہ گریۂ بے اختیار چشم

لاچارہ ساز سُرمۂ خاک رہِ نگار
اکسیر ہے یہ نسخہ برائے غبار چشم

نظارۂ حبیب سے خوش ہو کے دل نے آج
لختِ جگر نکالے ہیں بہر نثار چشم

آنکھیں بھی نذر گریۂ فرقت ہوئیں ضیا
ماتم تھا پہلے دل کا ہوں اب سوگوار چشم

رباعی

گم کردہ رہ غریب ہوں منزل سے دور ہوں
طوفاں زدہ سفینہ ہوں ساحل سے دور ہوں

ظالم اب اپنے در سے اُٹھاتا ہی کس لئے
کیا کم ہی یہ ستم کہ ترے دل سے دور ہوں

کوئی غمخوار نہ ہمدم ہی شب فرقت میں
اک تری یاد ہی یا بیکس و مضطر میں ہوں

عشق کو دین سمجھتا ہوں نہ فا مذہب ہی
ای صنم تجھ سے جو پھر جاؤں تو کافر میں ہوں

نہ کیا بخت نے اُس در کا گدا بھی مجھ کو ؎
اے ضیا نام کو ہر چند سکندر میں ہوں

جی میں ہو فکر بتاں اور لب پہ ہو ذکر خدا
اے دل بیتاب تجھ سے پارسائی ہو چکی

یہ کہتے ہیں ٹھکرا کے وہ نعش عاشق
یہ فتنہ نہیں ہے جگانے کے قابل

بھلا خاکساروں سے اتنی کدورت
نہ تھے خاک میں ہم ملانے کے قابل

بجا ہے وفادار کوئی نہیں ہے
مرا عشق ہے آزمانے کے قابل

جینے دیتی ہے نہ مرنے دیتی ہے　　تیری ظالم ہر گھڑی کی ہاں نہیں

ہے کوئی آتش کا پرکالہ صبا

سینے میں اپنے دل سوزاں نہیں

ہوا اک آفت جان پر خدا دِل　　نہ دے دشمن کو بھی ایسا خدا دِل

کہاں ڈھونڈوں کدھر گم ہو گیا دل　　ابھی تو پاس میرے تھا مرا دِل

پے عشقِ حالاؤں کہاں سے　　تمھیں تو چاہیئے روز اک نیا دِل

دلِ ناکام لے کر کیا کرو گے　　نہیں ہے یہ تمھارے کام کا دل

بُت کافر سوا تیرے خدا سے　　نہیں رکھتا ہے کوئی التجا دِل

بتوں نے کر دیا اب غیرتِ دیر　　کبھی مشہور تھا بیت خدا دِل

یوں جو ہم نوجواں مرتے ہیں　　اُن کی یادِ شباب ہے دِل میں

مندرجۂ بالا شعر مومن کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

یوں کبھی نوجواں نہ مرتا میں　　تیرے عہد شباب نے مارا

بے وفاؤں کو با وفا جانا　　ہائے کمبخت دل نے کیا جانا

واہ ری نارسائی قسمت　　اُس کے در تک نہ ہو سکا جانا

ضیا تخلص تھا۔ اور سکندر جہاں بیگم نام تھا۔ اگرچہ یہ نہ معلوم ہوسکا کہ اصل سکونت کس جگہ تھی مگر ضمیمۂ تذکرۂ ماہ درخشاں سے یہ پتہ چلا کہ میر امیر علی صاحب سابق کوتوال ریاست جاورہ کی دختر نیک اختر تھیں۔ شعر و شاعری کا شوق تھا۔ میری نظر سے ان کا ایک معتدبہ کلام گزرا۔ جس کے دیکھنے کے بعد میں نے اپنی رائے ان کے کلام کی بابت نہایت اچھی قائم کی ہے۔ چند غزلوں کا انتخاب حاضر ہے

ایک قاتل سے دوستی کی ہے — موت سے ہم نے دل لگی کی ہے

کون کہتا ہے ہم کو دیوانہ — یہ نشانی تو اک پری کی ہے

خون دل خشک ہو گیا شاید — اشک نے آنکھ میں کمی کی ہے

کب تلک ظلم اے ستم ایجاد — انتہا بھی ستمگری کی ہے

فیض استاد مہرباں سے ضیا
دھوم جو تیری شاعری کی ہے

کون دے اُس بیوفا ظالم کو دل — مفت کی ایسی کسی کی جاں نہیں

بخیہ گر دستِ جنوں سے تنگ ہوں — جیب کچھ باقی ہے تو داماں نہیں

میری بیتابی پہ روتے ہیں عدو — دوست میرے حال پر خنداں نہیں

سرسبز رہے باغ سدا دین ہی کا ــــ کی مدنی ہاشمی و مطلبی کا

یارسا ہے تا دل جاں بستہ جمیں دیں ــــ کی مدنی ہاشمی و مطلبی کا

ضیا تخلص تھا ضیائی بیگم نام تھا۔ لکھنؤ کی رہنے والی تھیں حکیم انور علی صاحب لکھنؤ کے ایک مشہور طبیب کی اہلیہ تھیں۔ صاحب تذکرہ بہار کا قول ہے کہ نہایت فاضلہ تھیں، عربی، فارسی، اُردو تینوں زبانوں پر قدرت تھی اور تینوں میں شعر کہتی تھیں چند شعر اُردو کے لکھتا ہوں۔

تمھارا ہم سے ہمارا تم سے نہ اُٹھ سکے گا عتاب ہرگز

اُٹھے تو کیونکر اُٹھے بتاؤ کہ تم ہو نازک میں ناتواں ہوں

میں ہوں وہ ننگ خلق کہ کہتی ہے مجھکو خاک

اِس کو سا کے کیوں مری مٹی خراب کی

میں نے پوچھا قتل مجھکو کیجئیگا کسطرح ــــ بولے غفلت سے کبھی کا ہے نگاہ تیر سے

سوتے میں شب جو پیچ کھلے زلف یار کے ــــ دعوے دروغ ہو گئے مشک تتار کے

تمثا اگر در سایۂ قامت چمن میں ہیں ــــ خورشید و مہ شعاع ہیں رخسار یار کے

بے وجہ تو شراب کی منہ میں نہیں ضیا

جو سے ہیں ہوش تم نے کسی بادہ خوار کے

وہ صحیح نہیں تھا ایک شعر یادگار ہے

چھپایا گر رخ پر نور اپنا ۔۔۔ جیے گا طالب دیدار کیونکر

صنم نہیمن نام ایک پنجابی شاہد بازاری کا تخلص تھا جو کلکتہ میں مقیم تھی غلام بھیک خاں سے صلاح لیتی تھی۔

چھاگلیں یار کی کرتی ہیں قیامت برپا ۔۔۔ سیکڑوں بار بجاتی ہیں گجر وصل کی رت

صنوبر (ط) یہ تخلص چھوٹی طائف کا تھا جو جالندھر کی رہنے والی تھی مگر سیر بازار کی ہوس دہلی کے شاہدان بازاری کی صف میں لے آئی تھی۔ عمر بھر یہیں رہی اور یہیں فوت بھی ہوئی۔ سال فوت ۱۲۱۹ھ ہے دہلی قدم شریف میں مدفون ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

زندگی تک کے یار ہیں یہ لوگ ۔۔۔ مر گئے پر یہ آشنا کس کے

دل نہ دے ان کو تو خدا کو مان ۔۔۔ اے صنوبر یہ بت بھلا کس کے

ضاد منقوطہ

ضرورت تخلص شرف النساء نام اہلیہ مرزا کوچک جو دہلی کے ایک بزرگ نسل تیموریہ سے تھے۔ یہ عفیفہ اکثر نعتیہ اشعار کہتی تھیں

صندل ۔ ایک شریف عورت کا تخلص تھا جو بلند شہر کے ضلع کی رہنے والی تھی۔ مگر بدقسمتی نے آوارہ کر کے آوارہ وطن بھی کیا اور آخر میرٹھ میں آگئی غدر کے بہت بعد تک زندہ رہی حسن و شباب کے رخصت ہوتے ہی عشاق کی بھیڑ چھنٹ گئی اور دریوزہ گری پر نوبت پہونچی اسکے بعد یہ حالت ہوئی کہ بعیر بھیک کے ٹکڑے ملے ہوئے فاقہ کشی بھی محال تھی۔ دو شعر ایام شباب کے کہے ہوئے مجھ تک بھی پہونچے۔ اور یہ اُس شخص سے سُنے جو عرصے تک اُس کی صحبت بے تکلفانہ میں شریک رہے۔

کل رات اندھیری میں بھٹک کر وہ آپہنچا گھبرا کے میں یہ سمجھی اب چاند نکل آیا
ہمیں بھی شوق سے اسد لیے دار آتے تھے کبھی ہم بھی جواں تھے ای ستمگر ہر جائی میں

صنم ۔ درگاہی ایک ہندو پاتر کا تخلص تھا جو اکبرآباد میں رہتی تھی اور درگاہی کے نام سے مشہور تھی۔ کسی راجہ کے یہاں مجرا کر نیوالیوں میں ملازم تھی۔ نہایت متمول تھی اور اس حالت تمول میں بھی نہایت خوش اخلاق مہذب ملنسار عورت تھی۔ ایک صاحب نے مصنف تذکرہ بہمن انداز سے اسی عورت کا تخلص غلط بتایا تھا مگر مصنف کے نزدیک

موسوم بہ بادشاہ نامہ اور ایک نامہ اسم انکی تصنیف سے ہی ۱۲۹۳ھ تک زندہ تھیں ایک غزل بطور نمونہ کلام درج کرتا ہوں ۔

جوشِ جنوں میں رات دِن سب سے رہا الگ الگ
میں ہوں جُدا الگ الگ لوگ جُدا الگ الگ

میں نے بلائیں لینے کو ہاتھ بڑھائے جب اُدھر
مُنھ کو پھرا کے یار نے مجھ سے کہا الگ الگ

شمع جلانے آئے ہیں آج وہ میری قبر پر
چلیو خدا کے واسطے بادِ صبا الگ الگ

خاک ہو زندگی بھلا تیرے مریضِ عشق کی
میں ہوں دوا سے دور دور مجھ سے دوا الگ الگ

ہجر میں خوب خاک اُڑی اُن کو ہوا نہ کچھ اثر
نالے گئے الگ الگ آہِ رسا الگ الگ

حسرت و آرزوے وصل درد و مصیبت فراق
سب کا ہے لُطف الگ الگ سب کا مزا الگ الگ

صدوہ کم نصیب ہوں ہجر میں گر اُٹھاؤں ہاتھ
بابِ قبول سے رہے میری دعا الگ الگ

رجوع کرکے علاج ومعالجہ کرنا شروع کیا۔ مومن خود ایک حسن پرست شخص تھے۔ بجائے مسیحائی کرنے کے اور الٹے مریض عشق ہو گئے۔ اور اس مرض نے یہاں تک ترقی کی کہ ضبط ہو سکا ایک مثنوی تھی۔ "قول غمیں" جواب تک اُن کی کلیات میں موجود ہے اسی غم میں لکھ ڈالی۔ آخرکار حکیم صاحب ہی کی صحبت و مہربانی نے اس کو شاعر بنا دیا۔ چنانچہ اشعار کے دیکھنے سے سراسر حکیم مومن خاں کا طرز بیاں معلوم ہوتا ہے وہی شوخی وہی سوز و ساز۔ وہی رنگ بات میں بات نکالنا چنانچہ آپ خود ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

رقیبوں کا جلنا کہاں دیکھتا تو
سماں یہ جو گھر میں آیا تو دیکھا

گرہ کیا صنم کے نظارہ میں زاہد
یہ جلوہ خدا نے دکھایا تو دیکھا

کھولے ہیں کسے پیرہن یوسفی کے بند
طے کر رکھو نسیم سے کہہ دو قبائے گل

نظر ہے جانا اغیار دیکھیے کیا ہو
پھری ہی کچھ نظر یار دیکھیے کیا ہو

جو خط حسین کا مرے کاتب ہر اسی کو
دکھلا نا مرے نامہ اعمال الٰہی

صاحب جو بنایا ہے تو ما سدر لیجا
یوسف سا غلام اک مجھے دے ڈال الٰہی

صدر - نواب صدر محل لکھنوی کا تخلص ہے۔ جو آخری تاجدار اودھ کی رعیت شبستان اقبال تھیں۔ صاحب دیوان تھیں۔ شاہی کا ایک دیوان

دُنیا میں بڑا شور ہے شکر شکنی کا　　شیریں جو تخلص ہیں ہوا نام ہمارا

قابل پابوس کیا ہم بھی نہیں ہیں آپ کے　　کیا خطا کی ہم نے گر چوما قدم کو کیا ہوا
عرش تک جاتا تھا یا اب کان تک جاتا نہیں　　ہم نشینو میرے نالے کے اثر کو کیا ہوا
درد فراق ہی میں سدا مبتلا رہے　　دنیا میں اسطرح بھی رہے ہم تو کیا رہے
شیشہ خانہ میں جو آئینہ عذار آئے نظر　　چشم مشتاق کو حیرت کی بہار آئے نظر
نیند میں زلف تری دیکھی نہ ہے میرے نصیب　　گنج تعبیر ہے گر خواب میں مار آئے نظر
لطف کیا پاؤگے تنہا دل شیدا لیکر　　دیکھئے سیر بھی کچھ یاس و تمنا لیکر
غم سے مرتا ہوں شہر لائے اجل بالیں پہ　　کوئی زندہ نہ کرے نام تمہارا لیکر
جھوٹی قسموں سے دلاسے تو نہ دو شیریں کو　　دل بھی پھیرا ہے کبھی تمنے کسی کا لیکر

صاد مہملہ

صاحب (ط) یہ تخلص تھا اور امتہ الفاطمہ نام تھا۔ لکھنؤ کی ایک مشہور شاہد بازاری۔ یا کوئی عفت نا آشنا پردہ نشین تھی۔ غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے اتفاقاً دہلی گئی تھی وہاں جاکر بیمار ہوگئی اور حکیم مومن خاں مومن کیطرف

گورنرسٹ خلعت ریاست پایا اور غرہ شعبان المعظم ۱۲۶۹ھ کو زینت افزائے مسند حکومت ہوئیں علوم ضروریہ سے اچھی طرح آگاہ تھیں اور علما و فضلا کی نہایت عزت افزائی فرماتی تھیں شعر و شاعری سے بھی فطری ذوق تھا خود بھی فارسی و اردو میں کبھی کبھی کچھ فرماتی تھیں فارسی میں شاہجہاں تخلص فرماتی تھیں اردو میں شیریں۔ پہلا دیوان اردو کا ۱۲۸۸ھ میں مطبع نظامی کانپور میں طبع ہوا تھا آخر کار اس دنیا سے فانی کو خیرباد کہا اور نہایت ہی قابل جانشیں کو مسند حکومت تفویض فرمادی جو اشعار یادگار باقی ہیں وہ یہ ہیں۔

خالق ہے خدائے سحر و شام ہمارا	مشہور اسی نے یہ کیا نام ہمارا
پیدا ہوئے ہم امت محبوب خدا میں	برتر ہو کیوں نہ اسلام ہمارا
آتی ہے ہواسر دگھٹا اٹھتی ہے گھنگھور	منگواؤ صراحی و مئے و جام ہمارا
بیتابی دل کہنے میں دل میں تو اثر کر	مدت سے یہی تجھ سے ہے پیغام ہمارا
ہم کرتے ہیں حج کوچۂ دلدار کا اپنے	ہے چادر تن جامۂ احرام ہمارا
فرقت میں تری ساتھ دیا اپنا اسی نے	کام آیا بہت یہ دل ناکام ہمارا
کافر کیا مجھکو تری اس زلف نے کافر	اس لام نے کھویا ترے اسلام ہمارا

وہ جو بالیں پہ ہمارے نہیں آنے والے
ہم بھی ہیں اب عدم آباد کو جانیوالے

دیکھنا سایۂ خورشید نہ ہو جائے کہیں
بال کھولے ہوئے او بام پہ جانیوالے

جان من چھوڑ کے زلفوں کو ذرا دیکھ تو لو
خود بخود دام میں آ جائینگے آنیوالے

پھینک اک تیر نظر اپنی کماں کا صدقہ
اے مرے دل کے نشانے کو اڑانے والے

اپنے جانباز کو تم جا کے ذرا وقت اخیر
دیکھ لو جاتے ہیں یوں جان سے جانیوالے

کیوں نہ کہلائیں زمانہ میں بھلا رشک مسیح
کشتۂ ناز کو ٹھوکر سے جلانیوالے

خوب مصرع یہ کہا ہے جو کسی نے شیریں
کبھی بھولے نہ رہے رنج کے کھانیوالے

شیریں (ط) یہی نام تھا اور یہی تخلص تھا۔ بازار چوک لکھنؤ کی ایک شاہد رعنا تھی جو آخر میں کلکتہ چلی گئی تھی۔ یہ اُس کا کلام ہے

دیر سے ہم سر جھکائے منتظر ہیں تیغ کے
دست و بازو کو ترے سو وقت قاتل کیا ہوا

رات باقی ہے ٹھہر جا ابھی جلدی کیا ہے
دل شیدا مجھے بیتاب نکر چہل کی رات

شیریں تخلص عالیجناب نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ سابق فرماں روائے ریاست بھوپال مخاطب بہ خطاب رئیس دلاور اعظم طبقۂ اعلاے ہند و کراون آف انڈیا زمرۂ ریاستہاے ہند۔ آپ نہایت ذی حوصلہ قدردان فن حکمراں تھیں۔ سنہ ۱۲۵۴ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی سنہ ۱۲۶۳ھ میں بعمر ۹ سال بحکم

شیریں (ط) تخلص، بیگم لکھنؤ کی رہنے والی عصمت فروش بازاری تھی۔ رسالہ سراج سے معلوم ہوا کہ یہ عورت گانے بجانے میں استادانہ کمال رکھتی اور ۱۹۲۹ء تک زندہ و بخیریت تھی غزل کہتی تھی اور اس میں بھی اک گونہ کمال حاصل تھا نمونہ کلام یہ ہے۔

فصل گل آئی ہماری وحشت خوں عیاں ہے ٹکڑے ٹکڑے ہیں ہو سلامت نہ گریباں رہے

دل بچھا جاتا ہے قدموں کے تلے صاحب کے پاؤں آہستہ سے رکھنے کا ذرا دھیان رہے

تیری صورت پہ نظر ہو ترے قدموں پہ ہو سر تیری الفت میں مروں یہ مرا ایماں رہے

خانہ جسم سے یہ کہہ کے سدھاری مری روح اپنے گھر جاتے ہیں چھوڑے یہاں مہماں رہے

اپنے خالق سے تڑپ اور دعا ہے شیریں کہ سدا دین محمد مرا ایماں رہے

اگر رو کوئی بس آئی فلک کے ہاتھوں دل بیتاب میں رکھوں مرے ارماں رہے

شیریں (ط) یہ تخلص ہے اور شیریں جان نام ہے ترلام کی ایک عصمت فروش معشوقہ بازاری ہے جو آج سے بیس پچیس برس پہلے یعنی ۱۹۱۰ء یا گیارہ میں ترلام ہی میں ایک مشاعرہ بھی کرتی تھی مشاعرہ کسی انجمن موسوم بہ عروس بہار سے متعلق تھا اور خود اسکی مہتمم یا سکرٹری تھیں۔ ایک غزل رسالہ جلوہ یار سے نقل کرتا ہوں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ فطری ذوق شاعری کے زبان نہایت صاف ہے جسکی ترلام کے رہنے والے سے تقریباً امید ہی نہیں کی جا سکتی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

اگر اجو ہاتھ سے ساقی کے شیشہ ہو گیا ثابت — ہماری زندگانی کا ہوا لبریز پیمانہ
کہیں عشق حقیقی ہی کہیں عشق مجازی ہے — کوئی مسجد بناتا ہی کہیں بتخانہ
ہو میدانِ قیامت میں بھی دورِ ساغر مل کا — رہے آباد یارب حشر تک ساقی کا میخانہ
نہیں مسند تو کیا پرا خدا پر اپنا تکیہ ہے — فقیری میں بھی اے شیریں مزاج اپنا ہی شاہانہ

کچھ متفرقات اشعار بھی ملاحظہ فرمائیے

اُسنے جب مسی لگائی اور جوبن ہو گیا — برگ گل اعجاز لب سے برگ سوسن ہو گیا
آنکھ اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا — ہر طرف تجھکو جلوہ گر دیکھا
لختِ دل آئے شاخ مژگاں پر — نخل الفت کا یہ ثمر دیکھا
دہن یار کا بوسہ نہیں ملتا دل کو — چشمۂ آب بقا پر ہی سکندر بیتاب
دلمیں جگہ بنائی ہے رہنے کی آپ نے — حیراں ہوں مثل آئینہ آئے کدھر سے آپ
ہوئی ہی ہمیں زلف و ابرو کی اُلفت — مقدر میں تھی سانپ و بچھو کی اُلفت
چمکتے ہیں گیسو پہ افشاں کے ذرے — ہوئی شاخ سنبل کو جگنو کی اُلفت
خاک پا جان کر مجھے اپنا — دل میں رکھو غبار کیا باعث
وہ عالم ہے ترے گورے بدن میں — جو دیکھے چاند آجائے گہن میں
خدا جانے کیا دلمیں ہی بدگمانی — مرے ہاتھ کا پان کھاتے نہیں ہیں

شیریں (ط) تخلص تھا۔ بیگا نام تھا۔ لکھنؤ کے چوک کی رہنے والی تھی۔ اور اپنے معاصرین طوائفوں میں ایک درجہ امتیازی رکھتی تھی شعر و شاعری سے ایک فطری ذوق تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتی تھی حسینۂ لاثانی خوبصورت۔ خوش سیرت۔ شاعر دوست تھی۔ اول اول میں میر محمدی [illegible] سے مشورۂ سخن کیا بعد ازاں شیخ امداد علی بحر کو غزل دکھانے لگی۔ اور وہی اسکا زمانۂ شباب و حیات سمجھنا چاہیئے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ستاتا ہے کوں کس سے کہوں ہائے ہائے دل — بہتر یہی ہے کوئی کسی سے لگائے نہ دل
کیونکر رہیں ہوس سے جو قابو سے جائے دل — اے کاش موت آئے کسی پر نہ آئے دل
باتیں وہ دلفریب ادائیں وہ دلربا — ایسی بری خصال پہ کیونکر نہ آئے دل
کیونکر اُسے نکال کے سینہ سے پھینک دیں — زلفوں میں ہر کسی کی یہ مجھ کو پھنسائے دل
الفت بھی چاہیئے پہ ذرا دیکھ بھال کر — ہر شعلہ رو کو چاہے تو جلنے میں جائے دل
بے مہر و بے مروت و نا آشنا ہو تم — تم سے خدا نخواستہ کوئی لگائے دل

شیریں کا یہ کلام ہے ہر وقت ہر گھڑی
جس کو خدا خراب کرے وہ لگائے دل

پریزادوں میں تم مشہور دیوانہ — اگر تم شمع محفل ہو تو یہ بندہ ہی پروانہ

تختۂ گلریز چھلنی ہو گیا — بجلیاں اتنی گریں گلزار میں
کھنچ گئی مقتل میں مجھکو دیکھکر — آ گئی نخوت تری تلوار میں
اے سعیدہ[1] گریۂ شبنم پہ پھول — تا سحر ہنستے رہے گلزار میں

کہاں کی بھیڑ ہے یارب عدالتگاہ محشر میں — کبھی آبادیاں اتنی نہ تھیں دنیا کے منظر میں
مرے نالوں سے شان ضبط غم مجروح ہوتی ہے — نہیں تو میں پلٹ دیتی نظام دہر دم بھر میں
شب فرقت کی بیتابی سے میں واقف نہیں لیکن — کسی نے جیسے کانٹے رکھ دیے ہیں آج بستر میں
تخیل ہے کہ وحشت ہے سمجھ ہی میں نہیں آتا — خدا کیونکر نظر آتا ہے ہر خاموش منظر میں
نہیں معلوم اسکے بعد کتنے انقلاب آئے — جنوں کے ساتھ اک صحرا بھی آیا تھا مرے گھر میں

دل بہلنے کا ہمارے خوب ساماں ہو گیا — لیجیے بیٹھے بٹھائے گھر بیاباں ہو گیا
اللہ اللہ آج وہ آئے ہیں قشقہ بر جبیں — ہم غریبوں کی بھی تربت پر چراغاں ہو گیا

شوق تخلص کریم بخش نام۔ پیشہ کسب عام تھا۔ ضلع امراوتی برار میں تعلقہ مرتضے پور کی رہنے والی تھی۔ بسم اللہ خاں بسمل کی شاگرد تھی۔ ایک شعر ملتا ہے جو نقل کیا جاتا ہے۔

فرقت یاد صنم میں اسقدر روتا رہا — اشک چشم تر سے بہکر سیل دریا ہو گیا

[1] یہ دونوں تخلص ہیں کبھی اس تخلص سے اور کبھی اس تخلص سے غزل کو ختم کرتی ہیں۔

ارہجر میں ہر لو عشق سے مایوسی ہر — نقش پا تک بھی تمہدرے جاسوسی ہر
مجھ سے کرتی ہی ہی لعب کی کیا کیجے — دل مرا لیکے یہ کہتی ہی رہی کیا کیجے
س ترے دیکھے ہوے اتو ہمیں رہتی حشم — اسکی تدبیر کہو اب تو اجی کیا کیجے

شوکت دلھن۔ یہی تخلص کرتی ہیں سعیدہ خاتون نام ہی للت پور میں پیدا ہوئیں۔ اور بچپن سے شادی کے زمانہ تک اپنے والد حکیم مولوی سجاد حسین صاحب کے ساتھ میں پوری میں رہتی تھیں بعد شادی لکھنؤ میں چلی آئیں اور اب لکھنؤ میں اپنی سسرال ہی میں قیام ہی محمد عمر صاحب شوکت تہانوی جو ایک نہایت ہی خوش فکر خوش گو خوش سیرت نوجوان ہیں۔ اور راقم الحروف سے مشورۂ سخن کرتے ہیں، کی اہلیہ ہیں اور انھیں کو اپنا کلام بھی بغرض اصلاح دکھاتی ہیں شوکت دلھن کی غزلیں دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ شعر و شاعری سے انھیں ایک قدرتی لگاؤ ہے اور اگر وہ برابر کہتی رہیں تو ایک زبردست شاعرہ ہونگی ابھی ان کے کلام میں متانت سنجیدگی علو مضامین کے بہت سے نمونے ملتے ہیں چند اشعار انتخاب کرکے لکھتا ہوں۔

دم نہ نکلا انتظار یار میں — نیند کیسی دیدۂ بیدار میں
نعش ناحق دیکھتے ہو بار بار — جاں بھی باقی ہو جسم زار میں

آیا نہ کبھی خواب میں بھی وصل میسر
کیا جانیے کس ساعت بد آنکھ لگی تھی

ابر چھایا ہی مینھ برستا ہے
جلد آ جا کہ جی ترستا ہے

لے اڑی طرز فغاں بلبل نالاں ہمسے
گل نے سیکھی روش چاک گریباں ہمسے

شمع کی طرح کون رہ جانے
جسکے جی کو لگی ہو سو جانے

رقیبوں سے وہ جس دم ہنس رہے تھے رو برو میرے
مری ہر مژہ اے دردِ جگر موتی پروتی تھی ٭

ترے منہ کی تجلی دیکھکر کل رات حسرت سے
زمیں پر لوٹتی تھی چاندنی اور شمع روتی تھی

جس طرح لگی دل کو مرے چاہ کسی کی
اس طرح نہ لگیو مرے اللہ کسی کی

اس زلف درازی کو ظالم نہ کتر دے
کیا فائدہ ہو عمر جو کوتاہ کسی کی

نے نامہ و پیغام زبانی نہ نشانی
حالت سے کوئی کیونکہ ہو آگاہ کسی کی

عندلیبوں کو وہ گلزار مبارک ہووے
ہمکو یہ سایۂ دیوار مبارک ہووے

راتدن جس لئے روتے ہو سو اللہ کرے
ایکدن تم کو وہ دیدار مبارک ہووے

جھوٹھ کہتا ہی تو قاصد یہ زبانی پیغام
مجھ کو باور نہیں جبتک نہ نشانی آوے

جی تک بھی اگر چاہو تو وہ سو اس نہیں ہی
کچھ اور جو ڈھونڈو تو مرے پاس نہیں ہی

اب خواب میں ہی وصل ترا ہووے تو ہووے
ظاہر میں تو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہی

یہ سب باتیں ناقابل اعتبار ہیں صحیح وہی ہے جو مصنف گلشن بیخار،
نے انداز وعیوب لکھا ہے اور اس بارہ میں ہم انھیں کے متبع ہیں
شوخ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک فطری شاعرہ اور نہایت
متین اور سنجیدہ تھیں۔ ان کے کلام میں شوخی درد آمد و آورد
تمام لطف ہیں نمونتاً چند شعر ملاحظہ فرمائیے

نیم بسمل یہ چھوڑ جاتا تھا
ہاتھ اک اور بھی لگاتا تھا

یا الٰہی یہ کس سے کام پڑا
دل تڑپتا ہے صبح و شام پڑا

ہماری خاک پہ اس گل نے جب گزر کیا
دم مسیح نے سر سے آشکار کیا

شمع کو چہرۂ دلدار سے کیا ہے نسبت
کیونکہ یہ ہے رخ جاناں وہ ہے روتی صورت

نش کو میاں طلب میں تری ہم بھٹک بھٹک
جوں حلقہ در پہ رہ گئے سر کو پٹک پٹک

میری بھی مشت خاک کا کچھ پایہ ہے ضرور
اے جامہ زیب جائیو دامن جھٹک جھٹک

مقابل ہو ترے لب کے اگر مصری چبا جاؤں
ترے ہونٹوں کی ہمچشمی کرے بادام کھا جاؤں

حاضر جواب بیگم نے یہ مصرع سُنا اور جواب میں فوراً یہ مصرع موزوں کرکے نواب کو سُنایا ؎

خوابِ عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے

ایک مرتبہ رات کو بزم عیش منعقد تھی۔ نواب نے شمع کی طرف دیکھکر یہ شعر موزوں کرکے پڑھا ؎

سر سے پاؤں تک سفیدی آگئی نسپر یہ حال
شمع سی ہم نے نہیں دیکھی کوئی بوڑھی چھنال

بیگم نے فی البدیہہ یہ شعر جواب میں کہکر پڑھا ؎

پردۂ فانوس میں رکھتی ہے عصمت کو سنبھال
کاٹ لو اُس کی زباں جو شمع کو بولے چھنال

شوخ کی بابت بعض تذکرہ نویسوں کو عجیب عجیب توہمات ہوگئے ہیں۔ بعض نے گنا بیگم کا تخلص نام لکھا ہے بعض نے منتظر لکھا ہے۔ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ یہ علی قلی خاں شش انگشتی کی لڑکی اور نظام کی منکوحہ تھی۔ میر سوز اور میرزا رفیع سودا کی شاگرد تھی۔ ایک جگہ گنا بیگم کا نام شوخ بتایا گیا ہے۔ غرضکہ ہر کس بخیال خویش (الی آخرہ)

شوخ - گنا بیگم اہلیہ نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر نظام وزیر عالمگیر ثانی کا تخلص تھا۔ نہایت حاضر جواب شوخ بذلہ سنج تھیں وقت پر ایسا جواب دیتی تھیں کہ سننے والے کے منہ سے آفریں کی صدا نکلتی تھی شعر و شاعری کا فطری ذوق و شوق تھا۔ میر قمرالدین منت سے اصلاح سخن لیتی تھیں۔ اکثر غزلیں فی البدیہہ کہتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے گنا بیگم اپنے پائیں باغ میں بیٹھی ہوئی ایک گلاب کے پھول کی بہار دیکھکر کچھ سوچ رہی تھیں۔ اتنے میں نواب غازی الدین آئے بیگم کو یوں محو پایا۔ کچھ دیر دیکھا اور اسکے بعد ہی کہا کہ چلو ا ندر بارہ دری میں چلو۔ بیگم نے کہا چلیے میں ابھی حاضر ہوتی ہوں۔ نواب صاحب سُن کر چلے گئے اور بارہ دری میں مسہری پر آرام فرمانے لگے۔ بہار کی ہوا کی موجیں آنکھوں کو مست و مخمور کیے دیتی تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ بیگم جا ندر پہونچیں تو نواب صاحب سو چکے تھے۔ بیگم نواب کو محو خواب راحت دیکھکر باہر آنے لگیں۔ مگر پاؤں کی آواز نے نواب کو بیدار کر دیا۔ بیگم جا رہی تھیں کہ نواب نے فوراً یہ مصرع موزوں کر کے پڑھا ؎

اگر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے

کچھ لہو بھی کشتۂ حسرت کا شامل چاہیئے

دل کا آئینہ دکھایا بڑھ کے جذب شوق نے

تھا تقاضا حُسن کا مدِمُقابل چاہیئے

خنجر قاتل تڑپ کر کروٹیں لینے لگا

ہاں اثر اتنا تو خونِ گرم بسمل چاہیئے

سیر ہے بزم حسینان جہاں سے دل شمیم

تو جہاں جلوہ نما ہو اب وہ محفل چاہیئے

شوخ۔ مولا جان طوائف کا تخلص تھا۔ کانپور کی رہنے والی تھی بعد کو کلکتہ میں جا رہی تھی۔ تذکرۂ شمیم سخن کے مصنف نے لکھا ہے کہ شعر کہتی بھی خوب تھی اور پڑھتی بھی خوب تھی۔ منشی عبدالرحیم آبد سے کلام پر اصلاح لیتی تھی سنہ ۱۲۸۹ھ میں زندہ تھی اب کا حال خدا جانے۔

غش مجھے آیا تو گھبرا کر یہ کہتا ہے وہ شوخ
میرے عاشق میرے شیدا میرے بسمل کیا ہوا

کس کی حسرت کا تصور بندھ گیا
آج کیوں چپ صورت تصویر ہو

کہتے ہیں ملنا تو کچھ مشکل نہیں
ہاں تمھاری آہ میں تاثیر ہو

بے بلائے وہ چلے آئیں یہاں
دوستو ایسی کوئی تدبیر ہو

نسیم تخلص ہے بی بیگم صاحبہ نام ہے لکھنؤ کی کوئی پردہ نشیں خاتون ہیں، ان کی ایک غزل نظر سے گزری جسکی پیشانی پر لکھا ہوا تھا کہ آپ بشتر صاحب سندیلوی سے اصلاح سخن لیتی ہیں۔ کلام اچھا ہے مگر افسوس ہے کہ کلام میں نسائیت کی جھلک بھی نہیں غزل حاضر ہے

قول ہے تمشیر قاتل کا مجھے دل چاہیئے
دِل یہ کہتا ہے مجھے شمشیر قاتل چاہیئے

مشکلیں غم کی جو ہنسی سے کاٹ دے انساں ہے وہ
کچھ نہیں پہلو میں اک ہنستا ہوا دل چاہیئے

کیوں نہ رہتی دل کے پردہ میں تری تصویر ناز
ایسی لیلے کے لیے ایسی ہی محمل چاہیئے

کشتیِ حسرت کو کردے غرق اے باد مراد
ڈوبنے والے جو ہیں کیا اُن کو ساحل چاہیئے

دیدۂ بسمل کا آئینہ تری زینت ہوا
اب تجھے کیا اور اے تصویر قاتل چاہیئے

اے حنائے دست قاتل رنگ لانے کا نہیں

اپنے گلے کا یہ ہار دیکھیے کب تک رہے

مست ہیں سب بلبلیں باغ ہی پھولا پھلا
سبزۂ تر نے جدا فرش ہے اپنا کیا

ساتھ ہو وہ غنچہ لب سیر کا جب ہے مزا
آئی چمن میں بہار چلتی ہی بادِ صبا

شاخ کا گل ہے سنگھار دیکھیے کبتک رہے

سبز شجر دیکھکر خوش ہی سراک باغباں
ایسا بھلا بار بار ملتا ہی موقع کہاں

دیکھنے کا باغ کے آج ہی کل ہی سماں
حسن عروسِ بہار پھولوں کی نیرنگیاں

بلبل شیدا نثار دیکھیے کب تک رہے

ہمکو نہیں اعتبار اُسکے کسی قول کا
دیکھو یہ تم ای شرر وہ نہیں باز آئیگا

دیکھے ہو تم اُسکی راہ چھوٹا ہی وہ پُر دغا
وعدہ ہوا اُنکا وفا تمکو تمھیں کیا ہوا

وصل کا یہ انتظار دیکھیے کبتک رہے

شمشیر (ط) تخلص شمشیر جان نام جے پور کی رہنے والی طوائف کا ہے جو کبھی کبھی شعر بھی کہتی ہے زمانۂ موجودہ کی ایک شاعرہ ہے۔

کچھ دیکھ بھی تو لطف ہے جا کر سفر میں کیا
شمشیر چھوڑ گھر کو تو بیٹھا ہے گھر میں کیا

عیر کا یہ اعتبار دیکھئے کب تک رہے

پہلوئے عاشق سے جب تم نے نکالا تھا دل   ہم نے بھی دلربا جو سنبھالا تھا دل
ہائے مگر کیا کریں جانے ہی والا تھا دل   پہلے تڑپتا رہا ماردں کا پالا تھا دل

ہو گیا بے اعتبار دیکھئے کب تک رہے

موسم گل کی بہار دیتی ہے کیا کیا مزے   سارے درختوں نے بھی لیکے ہیں کپڑے نئے
شاخوں پہ پھر بلبلیں کرنے لگیں چہچہے   غنچے چٹکنے لگے پھول مہکنے لگے

جوش پہ فصل بہار دیکھئے کب تک رہے

پہلے تو معلوم بھی مجھکو نہیں تھی یہ تے   مست یکایک ہوا بات نصیحت کی ہے
ایک نظر نے مگر کر دیا قصہ ہی طے   آنکھیں تری دیکھکر پی ہے محبت کی مے

عشق کا ہمکو خمار دیکھئے کب تک رہے

کلمہ بیکل یہاں آپکا لمبا ہے دور   رحم کی دیکھوں نظر کرتے ہیں کب تک حضور
ہو گیا اسکا یقین مجھکو اے ترک حور   صدمۂ فرقت سے جان جائیگی اک دن ضرور

سینہ میں دل بیقرار دیکھئے کب تک رہے

ہو کے جگر خوں یہاں آتے ہی ہوگا تباہ   رشک سے اغیار کے جل کے ہوا دل کباب
سر پہ ہے احق لیا ہجر بتاں کا عذاب   عشق ہے ایسی بلا جل کے ہوا دل کباب

رہنے والی تھی۔ مگر علی گڑھ میں قیام رہتا تھا شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ مرزا امیر بیگ صاحب متخلص بمیرزا کی نشست اسکے یہاں زیادہ رہتی تھی اور انھیں سے اصلاح لیتی تھی ایک مقطع لکھا ہوا تھا جو ہمیں انداز سے نقل کیا جاتا ہے۔

شریرؔ ایسا کچھ افسوں پڑھ کہ شوخی قید ہو جائے
غزالانِ حرم سے اُڑکے چشم یار میں آئے

شریرؔ۔ مس میری فلورا سارکس صبیّہ جناب بزم اکبر آبادی کا نام ہے۔ جو رامپور میں پہونچکر اختر جہاں بیگم کے خطاب سے مخاطب ہوئیں۔ حاضر جواب بذلہ سنج خوش مذاق شاعرہ ہیں۔ آخر پھر رامپور سے کہیں اور چلی گئیں رامپور میں منا صاحب بہادر مرحوم سکریٹری والی رامپور دام اقبالہ سے اصلاح لیتی تھیں سلل۱۹ء میں رامپور میں تھیں اُس وقت سولہ برس کی عمر تھی اور اسیوقت کا یہ کلام ہے حضور نواب صاحب دام اقبالہ کی ایک غزل کو تضمین کیا ہے۔

یہ جو ہی ملنے میں عار دیکھیے کبتک رہے	دشمن جاں وہ نگار دیکھیے کبتک رہے
قلب میں اُسکے غبار دیکھیے کبتک رہے	ہمسے خفا ہی جو یار دیکھیے کبتک رہے

یکس رشک مہ کا نظارا ہوا ہے — کہ خورشید آنکھوں کا تارا ہوا ہے
ملے غیر سے یار آنکھوں کے آگے — مریں ہاں یہ کس کو گوارا ہوا ہے

شرم (ط) امامی جان طوائف کا جو لکھنؤ میں اکبری دروازہ کے قریب رہتی تھی تخلص تھا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتی تھی۔

ہو جو ش ہوئے تو بعید التجا ہی عذر وصل — جو صدمہ آئے تو پھر کیا ہزار بار نہیں
اثر خاک لحد یہ ہے کہ چھو جانے سے — مرض ہجر کے بیمار شفا پاتے ہیں

شرف (ط) صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ کانپور کی ایک قاصہ کا نام تھا اور یہی تخلص تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

رات کو ایسا چڑھا نالہ فلک سے مل گیا — کیا کہوں عرش معلی تک بھی سارا ہل گیا
یاد رکھنا خود بخود حلقہ کیئے ڈنکا دہیں — کوچۂ سفاک میں مچھ سا اگر بسمل گیا
ڈھونڈتا کب سے ہوں دل کو کچھ پتا لگتا نہیں — اشک کے ریلے میں شاید دل بھی یار ل گیا
دور سے قاصد پھرا ہتا دو آیا نہ ہتھ — کیا کرے قاصد بچارا تو کئی منزل گیا

سوجھتا کچھ بھی نہیں تجھ کو بھلا کیا کیجئے
حسن کو سمجھا تھا شرف تیرا کسی پر دل گیا

شریر (ط) تخلص جگن نام سدا طوائف قصبۂ جلیسر ضلع متھرا کی

جیتے جی نہ آیا اُسے کچھ دھیان ہمارا مرجانے پہ کیا نکلے گا ارمان ہمارا
گر پڑوں یار کے قدموں پہ اگر پی ہی شراب ہاتھ آیا ہے بہانہ مجھے بیہوشی کا
کوئی نا آشنا نہیں ایسا ملے ہیں آپ آشنا کیا خوب

وصل میں شرم و حیا شرم کو مشکل ہے بہت
کثرت شوق سے ہو جاتا ہے دشوار لحاظ
دشمن ہوا وہ جان کا کی جس سے دوستی
سچ ہے مثل کسی کا کوئی آشنا نہیں
سو طرح کی جفا تری اے نازنیں سہی
اس پر بھی تجھ کو قدر نہیں تو نہیں سہی
فرمائیے تو آپ کے پہلو میں بیٹھ جائیں
پیارے بجائے تکیہ پہلو ہمیں سہی

شرم (ط) چھوٹے صاحب طوائف لکھنؤ کی رہنے والی تھی کلکتہ میں بھی گئی تھی۔ مولوی عبدالغفور خاں صاحب نساخ نے لکھا ہے کہ میں نے اُس کو دیکھا ہے۔ شعر یہ ہیں۔

مردہ زندہ ہو گئے پازیب کی جھنکار سے ہر قدم پر حشر برپا ہے تری رفتار سے

نہ کبھی کسی مشاعرہ میں شریک ہوئیں اور نہ اسکے ذریعہ سے شہرت کا خیال کیا۔ ممکن ہے کہ اُس کے کلام پر اصلاح اُن کے والد کرتے ہوں۔ بہرحال جو کلام دستیاب ہوا اُس سے مشق سخن گوئی کا پتہ لگتا ہے۔

جو تیری کاکل مشکیں کی بو صبا لائی دماغ عرش پہ اس خاکسار کا پہنچا

پڑے جو عکس گل تر ہار بن جائیں کہ تاج گل سے بھی نازک ہے ہار کا پہنچا

مثال غنچہ تو کیوں دل گرفتہ ہے اے ثمر خوشی ہو خط ترے سالار گلعذار کا پہنچا

پہنے ثابت کریں اس وحشی کی تقصیریں دو

کیوں مرے پاؤں میں پہناتے ہیں زنجیریں دو

دونوں زلفوں کا تری آیا جو وحشت میں خیال

پڑ گئیں پاؤں میں میرے وہیں زنجیریں دو

کہا قاصد نے کہ لایا ہوں میں پیغام وصال

آج خلعت مجھے پہناؤ کہ جاگیریں دو

درد دل دور ہوا سینہ کی سوزش بھی گئی

شربت وصل میں تیرے ہیں یہ تاثیریں دو

لا بہانہ سے غلامیں کسے یا خط ہی لکھیں ثمر کیا جوتے سوجھیں نہیں تدبیریں دو

خاک اب عنقا کرے گا فکر میرے ملنے کی
دُور تھی لیکن ہمارے ضعف پر کچھ رحم کر
پیشوائی سیکڑوں منزل مری منزل نے کی
بس نہیں چلتا ہے یارب کیا کریں مجبور ہیں
جو نہ کرنی تھی ہمارے ساتھ وہ اس دل نے کی
ایسے دریائے بلا میں غرق ہے کشتی مری
توبہ جس کے نام سے اے ناخدا ساحل نے کی
اس کو تم جوہر نہ سمجھو اپنے رہنے کے لئے
تیغِ قاتل نے جگہ خون رگِ بسمل سے کی
گرمیِ سوزِ جگر سے ہو گیا ہوں جل کے خاک
یہ شرارت آتشیں رخسار سے قاتل نے کی

شرم تخلص تھا اور شمس النسا بیگم نام حکیم قمر الدین خاں صاحب (جو خواجہ وزیر کے شاگرد تھے) کی دختر نیک اختر تھیں۔ بنارس مولد تھا مگر چونکہ اُن کے والد لکھنؤ میں چلے آئے تھے اور یہیں سکونت رکھتے تھے اس لئے یہ بھی یہاں رہتی تھیں شعر و شاعری کا نہایت ذوق رکھتی تھیں

حلائیں گھی کے ہم اُس رات گر یہ دن میسّر ہو
بنا رکھا ہے پُتلا جور کا اُس محسن ظالم نے
حیا پرور حیا گستر حیا جو ہو ستمگر ہو
کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے عجب نیرنگ دنیا ہے
شرارت جاں کریں کس لیے پھر تم مکدّر ہو

شرارت (ط) تخلص۔ امیر جاں نام۔ چھوٹے خاں کیحن دہلی کے رہنے والے کی لڑکی تھی۔ گانے ناچنے میں اچھا خاصہ کمال حاصل کر لیا تھا۔ میاں امیر جاں متخلص بہ منیر اکبرآبادی سے تلمذ رکھتی تھی۔ متھرا، آگرہ، ٹونک وغیرہ میں بھی رہی تھی چند شعر اُس کے درج کیے جاتے ہیں جن سے اُسکی ذہانت اور طباعی کا پتہ چلتا ہے۔

ایسی مجھ پر رات مشکل فرقت قاتل سے کی
ساتھ میرے صبح مر مر کر مری مشکل سے کی
آرزوئے بوسہ گر دل ہیں کسی سائل نے کی
ہو گئی تدبیر در پردہ لب اُس کے ملنے کی
سیکڑوں منزل عدم سے آگے وحشت لے گئی

واہ کیا لذت ہی تجھ میں حبا ای شوقِ قتل | تیغ جاناں کی محبت ہی پیاری زندگی
اک گل خوبی کی الفت نے دکھایا یہ اثر | داغ دل سے بنگئی پھولوں کی کیاری زندگی
خواب ہی سونے کا ای غافل ترا عہدِ شباب | نوجوانی کی ہے اک بادِ بہاری زندگی
دیکھیے انجام کیا ہو ہجر جاناں میں مرا | موت کی گھڑیاں گراں ہیں مجھکو بھاری زندگی

اے شرارت ابرو جاناں کی ہو الفت ہمیں
کٹتی ہے تیغِ دو دم پر اب ہماری زندگی

دوائے درد سر یارب ملے گر یوں تو بہتر ہو
کسی بے درد کا در ہو کسی کم بخت کا سر ہو
چلن تلوار سے بڑھکر ہو فتنے پانوں پڑتے ہوں
بپا ہر ہر قدم پر آپ کی ٹھوکر سے محشر ہو
تبسم سے خضر کی آبرو پر پھیر دو پانی
ہوائے جنبش لب میں نسیم روح پرور ہو
وہ ہنستے کھلکھلا کے فاتحہ پڑھنے کو آنکلیں
بجا ہے تربتِ عاشق پر ان پھولوں کی چادر ہو
ہم دست و گلو ہوں یار سے پیتے پلاتے ہوں

شیدا دہلوی کو غزلیں دکھاتی تھی اس کے بعد ۱۹۱۰ء و ۱۹۱۱ء میں رسالہ حلوۂ یار میرٹھ میں بھی اسکا کلام نظر سے گزرتا رہا۔ وہاں کے شعر درج ہوتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ دی کی عمر تخمیناً چالیس پچاس برس کی ہوگی۔

خدا گواہ ہے سب کو جتلائے دیتے ہیں — ہم انکی چاہ میں خود کو مٹائے دیتے ہیں
نشیلی آنکھیں ہیں کافی ہیں مجھکو ای ساقی — یہ دو پیالہ ہی بیخود بنائے دیتے ہیں
شب وصال میں غیروں کا چھیڑ کر قصہ — ہنسی ہنسی میں وہ مجھکو رلائے دیتے ہیں
وہ آئیں بے سر و سامانیوں کے صدقے میں — ہم ان کیواسطے آنکھیں بچھائے دیتے ہیں
بڑھی ہوئی یہ نقاہت ہے روز گریہ میں — ہمارے اشک ہی ہمکو بہائے دیتے ہیں
بڑھے ہیں سوز جگر سے وہ نالہائے دل — ترے نشاں ہیں یہ شعلے جلائے دیتے ہیں

جلے بھنے ہیں شرارت وہ اپنے نالۂ دل
کہ مہر حشر کو لوکا لگائے دیتے ہیں

ذرا قاتل ہوگئی ساری کی ساری زندگی — اس لئے روز ازل سے تھی ہماری زندگی
وصل ممکن ہوا اٹھتا نہیں ہے ہجر یار — ہوگئی ہے اہلوں سے اختیاری زندگی
ہوگیا ہے سر کے بار اسود لئے جوں — ملگئی قسمت کو اک غفلت شعاری زندگی
کٹ رہے ہیں کچل کے تڑپتے رات دن — اشکباری رہ گئی ہے بیقراری زندگی

دلچسپ ہیں اسد جبیہ قدرت کے مناظر | وہ صبح کی نیرنگیاں وہ شام سہانی
ترآنسووں سے یونہی رہیگا مراد امن | کم ہوگی نہ ہرگز یہ مری اشک فشانی
کیا جانے خیال آگیا کس بات کا ہمکو | روکے سے جو رکتی نہیں اشکونکی روانی
اللہ اُٹھائے نہ کوئی ایسی مصیبت | جو راہ محبت میں پڑی مجھکو اُٹھانی
وہ تازگی باقی نہیں اب طبع رواں میں | پھر جائیگا کیا میری تمناؤں پہ پانی
جذبات کا ہنگامہ ہے برپا مرے دلمیں | کیوں آج تلاطم میں ہے یہ بحر معانی
گھبرائیگا ہمدم مرے افسانۂ غم سے | دل جس سے بہلتا ہے نہیں یہ وہ کہانی
جبتک نہ گزر جائینگے ہم جان سے اپنی | تو ظلم کو چھوڑیگا نہ اے ظلم کے بانی
یاد آتی ہیں اُس حسن کی سرائیاں مجھکو | پوشاک کسی کی نظر آتی ہے جو دھانی

پھرتی ہیں مری آنکھوں میں ہر وقت وہ آنکھیں
شبنم سبب مجھے مشکل ہوئی اب جان بچانی

شرارت (ط) تخلص اللہ دی نام ہے غازی آباد ضلع میرٹھ مولد تھا۔ مسکن دہلی ہے یہ ایک ڈیرہ دار طوائف ہے۔ نہایت مشہور و معروف حسین اور خلیق ہے راقم الحروف نے تقریباً ۱۹۰۸ء میں اس کو دیکھا تھا وہ زمانہ اِس کے شباب کا تھا۔ اور اُس زمانہ میں بابو چنڈی پرشاد

آج کسکی دلربائی نے دیا تجھ کو فریب ہوگیا ہی بیخودی میں محو اے دل کیا ہوا

ہو گئی ہے زندگی آخر گناہوں میں مری ہاتھ خالی ہو مسافر راہِ سفر کچھ بھی نہیں

ان کی باتوں میں جلد اکیلئے آ نازِ شباب یہ حسینانِ جہاں کس سے وفا کرتے ہیں

حسرتِ دلِ میں ہیں خوابیں ہجرِ دم وصل یا صدا میں اُسے بیدار کروں یا یہ کروں

تو نے شوخی سے دکھا کر مجھے زلفیں اپنی اسمیں میں تجھ کو گرفتار کروں یا یہ کروں

سرِ پاک کہ جو ہو نور کے سانچے میں ڈھلا اے قضا اُسکو بھلا پیار کروں یا یہ کروں

عشق میں جان کے دشمن کو مسیحا سمجھے اور پھر دل میں سمجھتے ہیں ہم اچھا سمجھے

بھیج دے گر ملک الموت کو بالیں پہ کوئی تیرا بیمار اُسے رشک مسیحا سمجھے

کچھ رحم کرتی ہے شب فرقت میں تیری یاد کچھ مہرباں ہجر میں تیرا خیال ہے

ہنس کر رُلا دیا کبھی رو کر ہنسا دیا اے فتنہ ساز دونوں میں تیرا کمال ہے

شبنم۔ زمانہ حال کی ایک خوش بیاں کا تخلص ہے جس کے نام اور وطن کا مجھے کوئی پتہ نہیں۔ کلام میں جودت طبع کے آثار موجود ہیں۔ بعض رسائل میں آپ کی غزلیں شائع ہوا کرتی ہیں ایک غزل نقل کرتا ہوں

تاثیر تجھے جذبۂ دل ہو یہ دکھا دی اقرارِ محبت وہ کریں اپنی زبانی

جب دل میں اُمنگیں تھیں ہوئیں غم سے وہ مدھم بجھتا ہوا شعلہ ہے مرا عہدِ جوانی

سومی خاندان تیموریہ کی ایک معزز خاتون تھی۔ مصنف تذکرہ جمیل کا بیان ہے کہ قبل غدر شباب کا عالم تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتی تھی غدر کے بعد بھی ایک عرصۂ دراز تک زندہ و سلامت رہی دو ایک شعر یادگار ہیں جو درج کیے جاتے ہیں۔

شور ہے اُنکی بیوفائی کا — بس نہیں چلتا کچھ رسائی کا
دامِ زلف سیہ ارے توبہ — نہ بنا ڈھب کوئی رہائی کا

شین معجمہ

شباب (ط) تخلص حسین باندی نام تھا۔ مہدی جان حنا کی چھوٹی بہن تھی سید الطاف حسین شید امرزاپوری کی شاگرد تھی جن کا اس سے پہلے ذکر اسی تذکرہ میں آچکا ہے۔

اللہ رے اشتیاق کسی کا پسِ فنا — آنکھیں کھلی ہیں دیدۂ بیدار کی طرح
تیور اُدھر چڑھے تو اِدھر ہم ہوئے فنا — نازک مزاج ہم بھی ہیں سرکار کی طرح

شباب (ط) مہدی جان طوائف باشندۂ کلکتہ کا تخلص تھا۔ خوش رو اور خوشخو تھی طبیعت میں جودت اور ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی نہایت عمدہ شعر کہتی تھی ۱۸۸۹ء تک زندہ تھی یہ شعر یادگار ہیں۔

کی صاحبزادی تھیں۔ سنا ہے کہ صاحب دیوان تھیں۔ مگر مصنف تذکرہ الشاعرات کو اسکے متعلق ایک شک ہے مصنف چمن انداز نے کلام بھی زیادہ دیا ہے اور کوئی شک بھی نہیں ظاہر کیا۔ یہ عفیفہ قبل غدر زندہ تھیں اب صرف اتنا سا کلام زندہ ہے

کب تک تیرے ہجر کے صدمے اٹھائے دل ۔۔۔ ڈر ہے یہی کہ جان سے اپنی نہ جائے دل
قاتل نے کب کہا تھا کہ آ کھیل لٹا کے دل ۔۔۔ آخر یہ میری جان پہ آئی بلائے دل
تھی وہ نگاہ یا کوئی ناوک کا تیر تھا ۔۔۔ ملتے ہی آنکھ رہ گیا میں لپکے لئے دل
سینہ اگرچہ داغوں سے معمور کیا ہوا ۔۔۔ خالی ہے تیرے واسطے بستر سرائے دل

سلطان عرض ایک اور دل کر ردیف لکھ
پر شرط ہے کہ لفظ گل آئے بجائے دل

ہم تو عاشق اسی کے ہو بیٹھے ۔۔۔ دل سے صبر و قرار کھو بیٹھے
صورت اس کی نظر نہ آئیگی ۔۔۔ دل ہی دل میں کڑھا کرو بیٹھے

لگایا گل سے جو دل کو تو نے سمجھ لے دل میں یہ اپنے بلبل
ہیں چند روزہ بہار کے دن یہ گل تو آخر خزاں ہوگا

نہ لگی پھر آنکھ سحر تلک مجھے یاد پی نہ لا گئے[۱] ۔۔۔ مرے پاس سے وہ چلے گئے مرے دل کو لیکے اٹھا گئے

۱؎ یہ شعر سردار کے یہاں بھی ہے۔

بے جرم مجھ کو یار نے مارا ہے دوستو   اب دل ہی دل میں کہتا ہوں میں ہائے دل

سردار روز حشر کو اُٹھکر کہے گی یہ
عاشق کہاں سے سنگ کا اپنا بنائے دل

دل مرا اُٹھ گیا زمانہ سے   موت آئے کسی بہانہ سے

نہ لگی پھر آنکھ سحر تلک مجھے یاد اپنی دلا گئے
مرے پاس سے وہ چلے گئے مرے دلکو لیکے ہلا گئے

بیاں میں کیا کروں تم سے نہایت بیقراری ہے
پھنسا ہے دل مرا اُس سے مجھے اب زیست بھاری ہے

کڑی منزل بہت ہیگی مجھے اب زیست بھاری ہے
وہاں کیونکر گزر ہوگا یہاں اب اشک جاری ہے

اندھیری گور ہووے گی نہ کوئی دوسرا ہوگا
ملے گا وہ صنم کیونکر مجھے اب انتظاری ہے

فرشتے آکے پوچھینگے کہو سردار سوتی ہو؛
پڑھو کلمہ محمدؐ کا چلو اب فضل باری ہے

سلطان تخلص اور سلطان بیگم نام تھا۔ نواب معتمد الدولہ بہادر لکھنوی

کوشش کرتی تھی کچھ نہ کچھ اس آوارگی میں بھی شرافت کی بو اُس میں موجود تھی۔ یہ شعر اسی کے ہیں۔

لگایا میں نے جو تم سے دل کو تمھارے دل پر نہاں ہوگا
اُٹھائے صدمے ہیں جتنے میں نے جہاں میں کیسے عیاں ہوگا

ہے خوف مجھ کو اکیلے گھر کا کہ ہوگا واں پر گزارہ کیونکر
مدد کو میری جو لطف یزداں ندیم و ہمدم وہاں ہوگا

لگایا گل سے جو دل کو تو نے سمجھ لے دل میں یہ اپنے بلبل
ہیں چند روزہ بہار کے دن یہ گل تو روزِ خزاں ہوگا

بہت کتابیں پڑھی ہیں تم نے یہ مانا ہم نے بھی شیخ صاحب
چھپا نہ ہم سے یہ حال دل کو نہاں یہ عشقِ بتاں ہوگا

یہ کیا ہے سردار تجھکو دہشت شفیع ہوں گے رسول داور
جو زلزلہ سے روزِ محشر زمیں نہ ہوگی زماں ہوگا

وہ تو ہمارا لیگئے بیٹھے بٹھائے دِل — ہرگز نہ کوئی آپ سے اپنا پھنسائے دل
آتی نہیں ہے نیند شبِ ہجر میں مجھے — ہے کوئی ایسا اُس سے ملا پھیر لائے دل
فریاد کر رہا ہوں میں گھڑیال کی طرح — یارب وہ خود جلے جو ہمارا جلائے دل

ستم (ط) بگا طوائف بنارس کی رہنے والی کا تخلص تھا۔
حسن خود نما کی اُمنگیں بنارس سے پٹنہ لے گئی تھیں کبھی کبھی شعر بھی کہتی تھی۔
ملاحظہ فرمائیے۔

کشتنی کون ہے اے دل نگہ یار میں آج ۔۔۔ تیغ سنتا ہوں کہ ہے دست ستمگار میں آج
ضعف کہتا ہے قدم یاں سے نہ آگے رکھنا ۔۔۔ شوق کہتا ہے کہ رہ کوچۂ دلدار میں آج

سردار - سردار بیگم نام لکھنؤ کی رہنے والی تھیں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ غدر کے بعد بیوہ ہو کر پہلے کانپور اور پھر قنوج چلی گئیں اور پھر اٹاوہ گئیں اور وہیں عمر بھر رہیں مگر معلوم نہیں کہ کیا افتاد پڑی کہ اپنی بیٹی مسماۃ کاظمی بیگم کو ناچ اور گانے کی تعلیم دینی شروع کی اور باقاعدہ ایک ڈیرہ دار بن کر وہ سب باتیں شروع کر دیں جو ایک طوائف کر سکتی تھی عجیب لطف یہ ہے کہ یہ خود بالکل ناخواندہ تھی مگر موزونی طبع کی بدولت شعر کہتی تھی اور چونکہ خود لکھ نہ سکتی تھی اس لئے اپنے کہے ہوئے شعر دوسروں سے لکھوا لیتی تھی۔ ایک شخص کے ساتھ دہلی چلی آئی تھی مصنف تذکرہ چمن انداز لکھتے ہیں کہ میں نے اس کو دیکھا تھا یہ ایک نہایت ہی بات کی پکی اور سچی عورت تھی اور جو کچھ زبان سے کہہ دیتی تھی اُس کو ہمیشہ پورا کرنے کی

سمجھی تھی محبت کی حقیقت میں نہ سمجھی تھی

تری گلیوں میں مٹ کر موت کے دن کاٹ دیتی ہیں
تری گلیوں سے اٹھے گی قیامت میں نہ سمجھی تھی

سمجھ رکھا تھا میں بے اختیاری ولولہ دل کا
تمہارے ہاتھ میں ہے میری قسمت میں نہ سمجھی تھی

شبِ خلوت ستاروں نے بہت لوٹے ترے جلوے
ترے حسنِ شب آرا کی حقیقت میں نہ سمجھی تھی

محبت تھی بساطِ زندگانی وہ بھی کیا دن تھے
کہ آفت تم نہ سمجھے تھے مصیبت میں نہ سمجھی تھی

نظر ملتے ہی کچھ محجوب ہے وہ بے وفا مجھ سے
نگاہوں سے بھی ہوتی ہے شکایت میں نہ سمجھی تھی

کسی کو خواب میں بے چین کر ڈالا خیالوں نے
خیالوں میں بھی ہوتی ہے یہ قوت میں نہ سمجھی تھی

گنہ کیوں سر پہ لیتی سائرہ حسنِ تماشا کا
مجھے یوں مست کر دے گی محبت میں نہ سمجھی تھی

ایک خوش فکر شاعرہ ہیں ایک نظم بعنوان تحیّر منفعل ہماری نظر سے گزری جو نہایت عمدہ ہے اُسی کو نقل کئے دیتے ہیں۔

ستم ہے شرط آئین محبّت میں نہ سمجھی تھی
ارے اِن حسن والوں کی شریعت میں نہ سمجھی تھی

مجھے رنج دیگی اک دن شام فرقت میں نہ سمجھی تھی
مجھے دُنیا سے کھو دے گی محبت میں نہ سمجھی تھی

تمہاری سادگی تصویرِ خاموشِ مسرّت تھی
جوانی آئے گی بن کر قیامت میں نہ سمجھی تھی

پشیماں ہو رہی ہوں شکوۂ جور و جفا کر کے
کوئی ہوگا پشیمانِ شکایت میں نہ سمجھی تھی

اُسے جانے نہ دیتی جذب کر کے دل میں رکھ لیتی
بہارِ باغ کا رنگِ طبیعت میں نہ سمجھی تھی

سمجھ لیتی تو پھر کیوں عاشقی میں دِقّتیں ہوتیں
یقیناً دل کا اندازِ محبّت میں نہ سمجھی تھی

رموزِ عاشقی حُسنِ دل افزا نے سکھائے ہیں

حوں کے ہاتھ سے دمس بچاکے رکھا تھا　　لیٹ کے دست میں کا ٹول ہے تار تار کیا

زینت (ط) تخلص۔ زینت بیگم نام دہلی کی ایک تماشا زادی تھی۔ مرزا ابراہیم بیگ مقتول کی محبوبہ تھی۔ اور انھیں کے ساتھ دہلی سے لکھنؤ چلی گئی تھی۔

تب مہتاب میں نا صبح زینت　　خیالِ ماہرو ہے اور ہم ہیں

ولہ

ہے مالہ داری کا مرے شور فلک پر　　پر مست مغرور کوئی کان دھرے ہے

زائے فارسی

ژاژ۔ اِس تخلص کی کوئی بازاری عورت تھی۔ ایک شعر اُس کا موجود ہے۔

ژاژ گوئی سے تو پیارے باز آ　　ورنہ بچیا کس کہتی ہے ژاژ

سین مہملہ

سائرہ یہی تخلص ہے اور یہی نام معلوم ہوتا ہے زمانۂ حال کی

ہم معرکۂ عشق میں شیرانہ کھڑے ہیں — میدان سے اب پانوں ہٹایا نہیں جاتا

دیوانہ ہو جو کوئی مرے حسن پری پہ — ناجنس سے دل اپنا لگایا نہیں جاتا

کچھ آج عجب حال ہے سینہ میں جگر کا — سامان اب اچھا ہمیں پایا نہیں جاتا

کیا روز قیامت میں زباں اپنی میں کھولوں — بگڑی ہوئی باتوں کو بنایا نہیں جاتا

میں بندۂ ناچیز وہ ہیں حُسن کے سلطاں

زہرہ اُنھیں گھر اپنے بُلایا نہیں جاتا

تو بو سے گر دیے ہیں تو دنبل او ر دیجئے — تسبیح میں ضرور ہیں دانے شمار کے

زینت بگن طوائف لکھنؤ کی رہنے والی تھی جو آخر میں کلکتہ جا رہی تھی میر اصغر علی صاحب اصغر سے اصلاح لیتی تھی اور بہر صورت خوب کہتی تھی چند شعر حاضر ہیں ۔

کیا کہوں چُپ چُپ ہوں میں شہر خموشاں کے مُقیم

کوئی بتلاتا نہیں منزل بمنزل کیا ہوا

ہم ہیں ناواقف نہ ہم سے اُٹھ سکی سختی ہجر

تجربہ کاروں سے پوچھو وقت مشکل کیا ہوا

اجل جو حسرت بوس و کنار میں آئی — چمٹ کے لاش کو قاتل نے خوب پیار کیا

جائینگے یا مستری کے ساتھ۔ حاضر جواب مدکہ سبح زہرہ ہنس کر اُچھل پڑی اور مہروں صاحب کا منہ چوم لیا آخر میں سُنا ہے کہ زہرہ نے اس مہتیہ کو چھوڑ کر کسی شریف کے ساتھ نکاح کر لیا تھا۔ زہرہ کا کلام ملاحظہ فرمائیے

دل میں تجھ کو پری لقا سمجھا ۔۔۔ زلف کو تیری میں بلا سمجھا
تو نے ہر ایک کی سُنیں باتیں ۔۔۔ میرا مطلب بھی کچھ بھلا سمجھا
اپنی اپنی ہر ایک کہتا ہے ۔۔۔ کوئی میرا نہ مدعا سمجھا
تیرے آنے کو اے صنم واللہ ۔۔۔ درد کی اپنے میں دوا سمجھا
سر مرا حال سکتے ہیں پر غم ۔۔۔ تو نہ کچھ یار بے وفا سمجھا
میں نے واللہ دی دعا تجکو ۔۔۔ تو خدا جانے دل میں کیا سمجھا
ہائے بے فائدہ خراب ہوا ۔۔۔ عشق کی میں نہ انتہا سمجھا

بدگماں تجھ سے یار ہے زہرہ
شکر کو تیرے وہ گلا سمجھا

ہم سے سخن عمر سمایا نہیں جاتا ۔۔۔ ہم سے کسی روٹھے کو منایا نہیں جاتا
صد شکر کہ طفلی سے جوانی کا سن آیا ۔۔۔ اب ہم سے ترا ناز اُٹھایا نہیں جاتا
بتو نہیں کچھ کام بھی اس پردہ نشیں سے ۔۔۔ آیا نہیں جاتا تو بلایا نہیں جاتا

اسکندر کو دی آبرو تمنے صاحب ہوا آئینہ منھ دکھانے کے قابل
رقیب سیہ رو کو نامہ نہ لکھو وہ حرفِ غلط ہے مٹانیکے قابل
لہو میں ہیں تر شرم سے دستِ مرجاں نہیں تم سے پنجہ ملانے کے قابل
عبث وصلِ جاناں کے بھوکے ہیں عاشق غم و رنج فرقت ہی کھانے کے قابل
مفصل کہوں ماجرا حاسدوں کا جو ہوں جمع سارے زمانے کے قابل

نہ کہہ زہرہ اُسکی غزل پر غزل تو
کہ سوزاں نہیں منھ لگانے کے قابل

سوزاں منشی حبیب الدین صاحب سے مراد ہے جو نہایت ہی مشہور و معروف لکھنوی شاعر تھے۔ آغا علی شمس نے زہرہ و مشتری دونوں سے ان کی اکثر غزلوں پر غزلیں کہلائیں جو بہت سی اودھ اخبار میں بھی شائع ہوئیں اور اور جگہ بھی چھپیں۔

زہرہ ایک باوضع اور حاضر جواب معشوقۂ طرار تھی۔ ایک مرتبہ لکھنؤ کے ایک رئیس متخلص بہ نجوں اسکے مکان پر گئے تو زہرہ نے چھیڑنے کے طریق پر یہ مصرع پڑھا ؎ سیرِ فلک کو ہم کبھی تنہا نہ جائینگے ٭ یہ بھی شاعر تھے سُن کر چُپ نہ رہا گیا فوراً دوسرا مصرع لگایا ؎ زہرہ کے ساتھ

پاس مسک کے دھرا دی کینہ اس طرح ــــ جس طرح تیز دھار ہوتے کوئی تپھر کے پاس
اشک یوں ہر گریہ نکلے جتنا تک ہوئے نہ دو ــــ ہر کسی کے غم میں تو آخر یہ گوہر بار شمع
نہ بزم میں کوئی دلسوز ہوا گر اپنا ــــ جلے وہ بزم لگے ایسی انجمن میں آگ

عصب ہے طلعِ کیا اُسے آج اے زہرہ
لگے الٰہی دل و جان طعنہ زن میں آگ

زہرہ (ط) امراؤ جان نام تھا۔ بازار چوک لکھنؤ میں قیام تھا۔ میر آغا علی شمس شاگرد قاضی محمد صادق خاں اختر کی شاگرد تھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ آغا علی شمس کا مشتری۔ اور زہرہ کی والدہ سے تعلق تھا اسی وجہ سے ان دونوں کی تعلیم و تعلم میں کافی حصہ لیتے تھے بلکہ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ ان دونوں کی وجہ سے آغا علی شمس کے دوسرے شعرائے معاصرین سے جھگڑے بھی ہوئے جنھیں میں بوجہ اختصار نظرانداز کرتا ہوں اور صرف زہرہ کا کلام لکھتا ہوں ۔

حیا سے نہیں وہ جو آنے کے قابل ــــ تو ہم خوف سے کب ہیں جانیکے قابل
کروٹوں سے میرے تم ہاتھ رنگیں ــــ یہ مہندی ہی صاحب لگانیکے قابل
رہے عمر بھر قید کنج قفس میں ــــ کہاں بال و پر ہم ہلانیکے قابل

کم از کم اس سے اُس کے علم پر ایک ہلکی سی روشنی پڑتی ہے اور شاعر کی بذلہ سنجی بھی ظاہر ہوتی ہے ۔

لطیفہ آن زن علامۂ دہر — شنیدستم کہ مُرد آن ماہ ثانی
سخن فہم و سخن سنج و سخنور — بہ مفتونان نمودی مہربانی
لطیفہ گاہ بذلہ گاہ شعری — چنان میداد داد زندگانی
دریغا آن گلِ گلزار خوبی — دریغا آن گل باغ جوانی
بہ ٹیری کوہ مرگ او کشیدہ — اجل قطعش نمودہ زندگانی
ہزار افسوس بر تنہائی او — ہزار افسوس بر بے خانمانی
بیامرزاد او را رحمتِ حق — مبادا اورا عذاب آنجہانی
غنی می جست از پیر خرد سال — ندا آمد دریغا از جوانی ۱۲۹۲ھ

اس قطعہ سے بہت کچھ اُس کے حالات پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت کے سخنور بھی اُسکی قدر کرتے تھے اب کچھ نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیے ۵

دو پر تو کیا تھے ہوتے اگر دو ہزار پر — پروانہ کرتا شمع پہ سارے نثار پر
وہ رقیب روسیہ بیٹھا ہی کیا دلبر کے پاس — ہے مگر مار سیہ یا رو یہ گنج زر کے پاس

دلہ

کیا کسی مہوش کا زہرہ اس کو بھی ہے انتظار
دیدۂ عاشق کی صورت ہے جو سیدار آئینہ

ولہ

درد و غم فراق سے شب کو ہوئی جو بے کلی
دل کی کشش کشاں کشاں اسکی گلی میں لے چلی
روتے ہیں سر پٹکتے ہیں زندگی اک عذاب ہے
جب نہ ملے وہ جان جاں کیوں ہو دلکو بے کلی
ہجر میں تیرے گلبدن وقف الم ہے جان و تن
بستر خار سے فزوں مجھکو ہے فرش مخملی

زہرہ (ط) مسماۃ لطیفن کرنال کی رہنے والی طوائف کا تخلص تھا۔ یہ ایک نہایت ذکی عورت تھی فارسی کا مذاق اس میں نہایت اچھا تھا شعر دلکش کہتی تھی۔ تیر کے نقرے بھی خوب تراشتی تھی۔ منشی ظہور علی ظہور جو ریوالری ضلع گوڑگانوہ کے کسی اسکول میں مدرس تھے۔ اس کے استاد تھے ۵۰ ۸ ۱۸ء میں انتقال کیا۔ مولوی ذوالفقار حسین تپی نے اسکی تاریخ وفات لکھی ہے جسکو میں بھی لکھتا ہوں۔

چال ٹکرانے کی اے جاں مت چلو　　راہ پر آؤ خدا کے واسطے
لو وہ آتے ہیں کوئی کہتا نہیں　　اب نہ گھبراؤ خدا کے واسطے
کیوں ہو زہرہ سے خفا ای ماہرو
کچھ تو بتلاؤ خدا کے واسطے

زہرہ (ط) تخلص منی نام تھا۔ حسن فروشی پیشۂ عام تھا۔ اصل وطن کشمیر تھا۔ مگر آب ودانہ کلکتہ کے بازار میں کھینچ لایا تھا نہایت خوبصورت خوش سیرت تھی۔ اپنی موزونی طبع کی وجہ سے کبھی کبھی شعر بھی موزوں کرتی تھی۔ اور مولوی عبدالغفور نساخ مولف تذکرۂ سخن شعرا سے اصلاح لیتی تھی۔ بارہ سو اکانوے تک زندہ تھی۔ کلام یہ ہے

دیکھکر جو رنگ دل ہے عاشق دلگیر کا　　سبزۂ رخسار سبزہ ہے مگر شمشیر کا
دل ہمارا درد کا پتلا بنا اے برہمن　　ہے تصور دمبدم جو اُس بت بے پیر کا

-ع-

ہے جو غنا و رقص کا چرچا بسنت میں　　ہنڈول کی بہار رہے ہر جا بسنت میں
اب نغمۂ بہار جو ہوتا ہے گوش خورد　　جوش جنوں ہوا ہی زیادہ بسنت میں

-ع-

نصیب نامے تھی جسکو بادشاہ کے یہاں سے زہرہ کا خطاب ملا۔ چونکہ شعر و شاعری سے ایک ذوق فطری تھا اُس نے اُسی سے تخلص کا کام لیا۔ غدر کے قبل زندہ تھی۔ اب ایک دو شعر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے جیسے

بوسہ دینگے سدہ تجھے زہرہ	مُنہ لگاتا ہے کون سائل کو
دل کہے میں ہو تو کاہیکو کوئی بیتاب ہو	شاعر جوں کس لیے یہ دیدۂ پُر آب ہو
باغ ہو آب رواں ہو اور شب مہتاب ہو	ساقی مہوش ہو مے ہو حلقۂ احباب ہو

زہرہ (ط) انبالہ کی ایک محبوبۂ بازاری تھی جو بعد غدر دہلی میں آکر رہی تھی۔ ایسی ایک غزل ترتیب جس امداد کے وقت مصنف کو خود ہی مرحمت کی تھی نقلاً بعد نقل میں بھی لکھتا ہوں۔

آؤ جی آؤ خدا کے واسطے	رحم فرماؤ خدا کے واسطے
زلفیں سلجھاؤ خدا کیواسطے	جی نہ الجھاؤ خدا کیواسطے
یہ تمھارا جاں نثار اب چلا	دیکھتے جاؤ خدا کیواسطے
جب گئے گھر اُن کے تو کہنے لگے	جاؤ جی جاؤ خدا کیواسطے
جان جاتی ہے تمھارے ہجر میں	اب لپٹ جاؤ خدا کیواسطے
غیر سے مل کر نہ جیا آنکھیں کرو	کچھ تو شرماؤ خدا کیواسطے

رائے مہملہ

رابعہ۔ایک خاتون کا نام ہے یہ شاعرہ کسی ڈاکٹر کی صبیہ اور کسی حکیم کی اہلیہ تھی کشیدہ کاری میں درک تامہ رکھتی تھی۔نام و مقام کچھ معلوم نہو سکا۔ اسی وجہ سے صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں۔مگر تعجب ہے کہ بالکل یہی شعر راویہ کے یہاں ہی نہیں معلوم ان کا کہا ہوا ہی یا اُن کا ؎

ہوتی نہ محبت تو یہ آزار نہوتا دل عشق کے صدموں سے خبردار نہوتا

رعنائی۔قدسیہ بیگم ایک عورت دہلی کی رہنے والی تھی ایک شعر ریختی کے انداز میں ملا جو درج ذیل ہے ؎

میں جانتی تھی آنکھ لگی دل کو سکھ ہوا کمبخت کیسی آنکھ لگی اور دُکھ ہُوا

راویہ۔دلّی سیتا رام کے بازار میں کوئی چھیپی رہتا تھا اُس کی لڑکی کا تخلّص تھا۔نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔

ہوتی نہ محبّت تو یہ آزار نہ ہوتا دِل عشق کے صدموں سے خبردار نہوتا

دے اپنی محبّت مجھے اے یار خدایا ولہ کر دُور دل زار کا آزار خدایا

الٰہی سب گنہ سے پاک کرکر ولہ مجھے لیجائیو جنّت کے در پر

زائے معجمہ

زہرہ (ط) شاہ دہلی کی گائنوں میں ایک عورت باکمال

بہاہے پھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا

تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

بہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں

مثال لالہ کے دل داغدار رکھتے ہیں

یہ سمجھ طرف ہمیں ہیں جو جھکتے جائیں | گل کے مانند جدھر جائیں مہکتے جائیں
مت کرو فکر عمارت کی کوئی زیر فلک | خانۂ دل جو گرا ہو اُسے آباد کرو

دن کٹا فریاد سے اور رات زاری سے کٹی

عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری سے کٹی

ذال معجمہ

ذلیل۔ مرزا سلیمان شکوہ بہادر کی کنیز تھی۔ اگرچہ اس کا نام نوبہار تھا۔ مگر تخلص کو ملحوظ رکھتے ہوئے اشعار نہایت فحش کہتی تھی۔ شعر حاضر ہیں۔

اس فرقہ کی بھی بستی میں صبح کیا کر | اپنے کرتوت پہ جس دم کہ میں آجاتی ہوں
تم سے اللہ رکھے ایسی باماں میں تم تو | ہم سی پریوں کو بھی دیوار سا لیتے ہو

ہے چوکھٹ آپ کی اور سر ہمارا قیامت تک یہیں ٹکرائینگے ہم

اپنے آنے کی جو سناتے ہو شیخی ناحق یہ تم جتاتے ہو
اس پہ قسمیں جو تم یہ کھاتے ہو مدعا یہ کہ دِل لبھاتے ہو
لفظ رخصت زباں پہ لاتے ہو جان کو میری تم کڑھاتے ہو
رات کو گاہ گاہ آتے ہو اپنے کشتہ کو آ جلاتے ہو

دلبر مجھے اسواسطے لکھتی ہے یہ سب خلق
تا مجھکو تو دلبر ہی سمجھ کر کبھی آئے

دُلھن۔ نواب انتظام الدولہ کی صبیہ اور نواب آصف الدولہ سابق حکمران اودھ کی اہلیہ تھیں۔ تذکرہ سراپائے سخن کی تیاری کے وقت فیض آباد میں تھیں نہایت نیک دل نیک مزاج۔ مردانہ صفات خاتون تھیں شعر و شاعری سے ایک خاص دلچسپی تھی۔ چند شعر انتخاباً درج تذکرہ کئے جاتے ہیں۔

بیاں میں کس سے کروں جاکے اب گلا دل کا
یہ دل کا دل ہی میں ہوویگا فیصلہ دِل کا

ہم تڑپتے ہیں تو ہنس ہنس کے یہ فرماتے ہیں
کیا ہوا تھا یہ ترا درد مگر وصل کی رات

دال مہملہ

دلبر (ط) چھوٹی بیگم نام اکبرآبادی طوائف کا تخلص ہے تذکرۃ الشاعرات کے مصنف نے اس کو اس فرقہ سے لکھا ہے اور اکبرآباد کی رہنے والی کہا ہے لیکن اُن کا خیال ہے کہ وہ حیدرآباد کی رہنے والی تھی مگر مصنف تذکرۂ چمنستان اور تذکرۂ شمیم سخن دونوں اسی بات پر متفق ہیں کہ وہ فرقۂ بازاری سے تعلق رکھتی تھی۔ کچھ ہو یہ شاعرہ شعر کہتی تھی اور اس کے شعر زبان کی حد میں اچھے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

ہر روز جو تم روٹھ کے تیوری ہو بدلتے — بیجا تو ہمیں ناز اٹھانا نہیں آتا

قسمت میں ہماری نہ ہوا ہائے صد افسوس
اِک روز لپیٹ کر تن مہتاب میں سونا

جو اک دن آپ پھر تشریف لائیں — رقیبوں کے گلے تم سے کہوں سب
دل نہیں دو چار دن گر اپنا دو تم مستعار — اسکو سکھلائیں وفا ایسی کہ ہو وے بیقرار

جن سے ہم آشنائی کرتے ہیں ہم سے وہ بیوفائی کرتے ہیں
اے خفی اپنے اشک بے تاثیر مفت میں جگ ہنسائی کرتے ہیں

خورشید تخلص اور غالباً یہی نام بھی تھا۔ دہلی کی ایک عصمت مآب سیدزادی تھی۔ ناکتخدا تھی اور مرثیہ وغیرہ بہت خوب کہتی تھی۔ ایک شعر اسکا تذکروں میں ملتا ہے مگر اسکے متعلق مصنف چمنستان انداز شبہ میں ہے کہ خدا معلوم اُسی کا کلام ہے یا اور کسی کا ہے۔ بہر حال نقل بعد نقل ہے

ای جذبۂ دل کیونکہ اجازت دوں میں تجھ کو
ہے سخت کشش تیری وہ ایسا نہ ہو ڈر جائے

خورشید (ط) خورشید جان طوائف کانپور کی رہنے والی کا تخلص ہے۔ محمد امین آمین کانپوری کی شاگرد تھی یہ دو چار شعر اس سے یادگار ہیں۔

اُس بُتِ کمسن کی شوخی بھی ادا سے کم نہیں
لیکے دِل کو پوچھتا ہے کیوں ترا دل کیا ہوا
خون تو میرا گریباں گیر ہے اے بے خودی
چھٹ گیا گر ہاتھ سے دامان قاتل کیا ہوا

لکھا نصیب کا کوئی مٹا نہیں سکتا　　کسی کے درد کو ہمدم مٹا نہیں سکتا

خفی تخلص تھا بادشاہ بیگم نام تھا۔ یوسف والی کے نام سے شہرت رکھتی تھی چھوٹی بیگم کی لڑکی تھی اور محمد یوسف سادہ کار کشمیری کی نواسی تھی۔ چھوٹی بیگم لارڈ لاک صاحب سے منسوب تھیں انہیں سے بادشاہ بیگم پیدا ہوئی تھیں اور پھر انکی بھی کسی مشہور و معروف انگریز سے شادی ہوئی۔ مگر میاں بیوی میں نباہ نہوا۔ یہ شاعرہ انگریزی فارسی دونوں زبانیں نہایت اچھی طرح جانتی تھی۔ نہایت اچھی خوشنویس تھی اور بہت سے لوگوں کو اصلاح بھی دیتی تھی مگر اُسی کو جس سے انکو ذات خود کوئی خاص تعلق ہوتا تھا اصلاح کا پیشہ عام نہ تھا مصنف چمنستان لکھتے ہیں کہ میں نے اسکے ہاتھ کی انگریزی تحریر دیکھی نہایت عمدہ تھی۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اسوقت وہ یہاں موجود نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تذکرہ کی تصنیف تک وہ زندہ اور بخیریت تھی لہذا یہ کہنا مناسب نہیں کہ ۱۲۹۳ھ میں وہ زندہ تھیں اب خدا معلوم ہیں یا نہیں ــ

خود شوق اسیری سے پھنسے دام میں صیاد　　ترسا دے تیرے ایک بھی دانہ کے نہیں ہم

میں انتقال کیا۔ اب ایک شعر یادگار ہے۔

نہ کیوں حیرت ہو یارب وہ زمانہ آگیا ناقص

حیا ڈھونڈے نہیں ملتی برائے نام سو سو کوس

حیدری تخلص حیدری خانم نام تھا۔ بشارت اللہ خاں دہلوی مصاحب خاص بادشاہ دہلی کی اہلیہ تھیں شعر و سخن کا ذوق تھا اور طباع تھیں ستر برس کی عمر پاکر عالم فانی سے غدر ۱۸۵۷ء سے کچھ پہلے راہی عالم باقی ہوئیں۔ ایک شعر چمن انداز وغیرہ میں ملتا ہے

حیدری نام ہے ترا کیا خوب　　　جو کہ تجھ سے پھرا وہ حیدر سے

خائے معجمہ

خاکساری۔ ایک پردہ نشین عفت گزین کا تخلص تھا۔ دہلی میں کشمیری دروازہ کے قریب رہتی تھی تخلص سب نے سنا تھا مگر نام کسی کو معلوم نہیں ہوا۔ اس کے شعروں سے پتہ چلتا ہے کہ نہایت ہی عمدہ شعر کہتی ہوگی ۱۲۹۳ھ تک زندہ تھی۔

مصیبتوں میں کوئی کام آنہیں سکتا　　　کہ اپنے درد کو دل بھی بٹا نہیں سکتا

گی جاتی ہے۔

پھر چمن میں آج غنچے چاک داماں ہو گئے　　پھر مرے جوش جنوں کے راز عریاں ہو گئے

قبر میں کا نور تاریکی کے ساماں ہو گئے　　داغہائے دل شکست رنگ عصیاں ہو گئے

اس زمیں میں سیکڑوں گلزار پنہاں ہو گئے　　کیا ہوا دو پھول گر کھل کر نمایاں ہو گئے

سونے والے جاگ اٹھے محشر کے ساماں ہو گئے　　آج شاید وہ سوئے گور غریباں ہو گئے

تو نے شاید کھو دیا تھا یہ دل صد چاک کا　　میں ترے قرباں کیوں گیسو پریشاں ہو گئے

کر دیا بیخود مجھے جلوہ دکھا کر آپ ہی　　پھر مجھی سے پوچھتے ہو کیوں پریشاں ہو گئے

منتشر ہیں جیسے اور بکھرے ہوئے ہیں دوش تک　　آپ کے گیسو مرا حال پریشاں ہو گئے

اے حیا کہتے ہیں اسکو امتزاج حسن و عشق
ان کے جلوے میری آنکھوں سے نمایاں ہو گئے

حیا تخلص۔ بھورا بیگم عرف۔ حیات النسا نام تھا شاہ عالم بادشاہ دہلی کی صاحبزادی اور شاہ نصیر مرحوم کی شاگرد تھیں شعر و شاعری کا ابتدائے عمر سے ذوق و شوق تھا۔ اور اسی شوق کی بدولت مزاج میں اسدرجہ وابستگی پیدا ہو گئی تھی کہ عمر بھر کتخدا نہیں اور بچپن جوانی بڑھاپا۔ ایک عالم میں گزارا غدر کے ہنگامہ سے پہلے عہد بہادر شاہ ظفر

پیشہ عام جاری کر دیا تھا اُسی کی نوچیوں میں ایک نوچی کا نام ملاگیر بھی تھا۔ جو نہایت حسین بیرحم اور سفاک مشہور تھی۔ اکثر رؤسا اُس کے ہاتھ سے تباہ ہوئے۔ بعض کو اُسی کی وجہ سے مجبوراً تارک وطن ہونا پڑا

حور (ط) نوروز جان طوائف کا تخلص تھا جو ۱۲۸۹ھ میں کلکتہ میں مقیم تھی ایک شعر یادگار ہے ۔

بعد میرے رحم آیا بھی تو کیا اے بیوفا — میں نے مانا قبر پر آئے تو کیا حاصل ہوا

حیا ۔ چھوٹی طوائف شاگردِ سید الطاف حسین سید مرزا پوری کا تخلص تھا اس سے پہلے بھی ان کی ایک شاگرد کا ذکر ہو چکا ہے وہیں سے ان کے سال حیات کو دیکھنا چاہیے یہاں صرف کلام دیکھیے ۔

ہوا ہے ابر کا دم بند چشم گریاں سے — جلی ہے برق بھی کیا کیا نہ آہ سوزاں سے

حیا سے رات کے پردہ میں منہ چھپا بیٹھے — مقابلہ کو اُٹھے وہ جو ماہ تاباں سے

حیا ۔ خورشید اقبال نام ہے۔ زمانۂ موجودہ کی خوشگو خوش خیال شاعرہ ہیں شعر و شاعری سے ذوق و شوق ہے اور بعض رسالوں میں آپکی غزلیں شایع ہوتی ہیں۔ غزلوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعری کی مشق اچھی ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں ہو سکے لہذا صرف ایک غزل پر اکتفا

حلوے میں لاش کی قاتل بھی ہے یاد و یا   کٹا کے سر کو چلے ہیں ہزار ساماں سے

حور ساجان نامی طوائف شہر لکھنؤ کا تخلص تھا جو محمد صاحب طور خلف مرزا اعظم بیگ قوم افشار ساکن لکھنؤ شاگرد رتی سے اصلاح لیتی تھی اس طریقہ سے رتی کا اور اُس کا زمانہ ایک ہی سمجھنا چاہیئے نمونۂ کلام یہ ہے۔

جو پہنا پاؤں میں سونے کا توڑا اے پری تو نے
مسلسل پائے دیوانہ ہوا زنجیر آہن سے
بدی کی جس نے ہم سے ہم نے اُسکے ساتھ نیکی کی
ہماری خو یہ ہے ہم دوستی کرتے ہیں دشمن سے

حور (ط) ستی بیگم نام ایک مستورہ عصمت فروش دہلی میں تھی۔ ریختی گوئی کی طرف متوجہ تھی نمونہ کلام یہ ہے۔ ۱۲۸۱ھ میں زندہ تھی

باغ میں جاؤ گے کس کیونکہ جہانگیر کہو   تم نے ٹھہرائی ہو جو مجھ سے وہ تدبیر کہو
اپنے جاہدوں کو واں سنتے کیا دیوانہ   نہ مجھے تیری یہ پیلی یہ ملاگیر کہو

دوسرے شعر کے مصرعہ ثانی کا قافیہ ملاگیر قصہ طلب ہے۔ دلّی میں میرداری نام ایک زمانہ تھا جس نے دو چار بوچیاں رکھی تھیں اور

کلام یہ ہے ۔

منہ کہیں پھرتا ہے اے قاتل تری تلوار کا
خون بہ جائے نہ جب تک بے گنہ دو چار کا

لامکاں تک جا چکی ہے بارہا آہ رسا
پھاندنا مشکل نہیں کچھ آپ کی دیوار کا

میں وہ صابر ہوں کیا شکوہ نہ میں نے آجتک
چرخ کے ہاتھوں سے کیا کیا کچھ نہ مجھپر ہو گیا

لے گیا پیغام اپنا بن کے قاصد یار تک
مرغ دل ہی بارہا اپنا کبوتر ہو گیا

حنا محمدی جان طوائف مرزاپور کی رہنے والی کا تخلص ہے جس کو شعر و سخن سے ایک خاص ذوق تھا اور سید الطاف حسین صاحب شیدا مرزاپوری سے اصلاح لیتی تھی نمونہ کلام یہ ہے ۱۲۸۸ھ تک زندہ تھی ۔

جو تھا میں عاشق ابرو تو تیغ قاتل کی | ہلال بن کے پٹنے لگی گریباں سے
لڑی ہیں اشک کے قطروں سے آنکھیں | گہر نکال لے کوئی نہ جیب و داماں سے

نالۂ سوزاں جو کھینچے میں سے روکے ہجر میں
رشک سے کلی جلی شرمندہ اشکِ تر ہوا
وہ مریضِ غم ہوں میں جسکو دوا آئی نہ راس
سر پہ جب صندل لگایا اور دردِ سر ہوا

حسینی (ط) تخلص۔ اختر جاں نام۔ بازار آگرہ کی رہنے والی شاہد بازاری کا تھا یہ آگرہ میں عارضی طریقہ سے مقیم تھی درحقیقت ... کی رہنے والی تھی اس سے ۵ برس پہلے کی شاعرہ ہے کلام کے نمونہ کا نمونہ دیکھئے۔

جس وقت تک وہ بزم میں پیشِ نظر رہے — ہم اپنا دونوں ہاتھوں سے تھامے جگر رہے
صحرا اور دیوں کو بہار تو خوب ہے — اچھا ہے سر میں زلف کا سودا اگر رہے
جلاد تیغ یار کو جس دم علم کرے — شرط وفا یہ ہے کہ قدموں پہ سر رہے

حشمت (ط) تخلص مہر جاں نام شاہد بازاری تھی۔ پہاڑ گنج دلی میں سکونت رکھتی تھی اور شعراں باکمال کا چونکہ اس کے یہاں مجمع رہتا تھا اس واسطے شاعرہ بھی بن گئی تھی غدر سے پہلے زندہ تھی اور سید احمد صاحب معروف بہ چھوٹے صاحب متخلص بہ نکہت دہلوی سے اصلاح لیتی تھی

گلستاں میں آج پھر سیرِ یار آنے کو ہے　　مژدہ باد اے بلبلو فصلِ بہار آنے کو ہے
دھوم ہے گھر میں ہمارے یار آتا ہی حجاب　　پھر استقبال لب پر جاں نثار آنے کو ہے

..

کیا تماشا ہے کہ لیکر آئنہ کو ہاتھ میں　　دیکھکر زلفیں وہ اپنی آپ بل کھانے لگے
پھر تصور کاکلِ جاناں کا مجھکو آ گیا　　سینۂ مخزوں میں پھر دو سانپ لہرانے لگے
شوخ ہو بے باک ہو سفاک ہو چالاک ہو　　کیوں شبِ وصلت میں مجھسے آپ شرمانے لگے

حجاب (ط) بنّی جان طوائف ساکن ہاپوڑ ضلع میرٹھ کا تخلص ہے جو اچھی خاصی شاعرہ تھی۔

نکلے نہ کیونکر بھلا منہ سے سدا واہ واہ　　نام خدا اے صنم تیری ادا واہ واہ

حُسن (ط) تخلص گنّا جان نام دربھنگہ کی رہنے والی ایک طوائف تھی ہُنر بھی تخلص کرتی تھی ۱۲۹۹ھ میں زندہ تھی۔

یا الٰہی کیا ہوے وہ میرے داغ آرزو　　کچھ اندھیرا سا نظر آتا ہی مجھکو دل کے پاس
قاصدِ لیلیٰ بنا تھا نجد میں شورِ جرس　　قیس آیا بے طلب کٹ کے دہ محمل کے پاس

حُسن (ط) وزیر جان نام۔ پاٹانالہ لکھنؤ کی رہنے والی طوائف کا تخلص ہے جو کبھی کبھی شعر بھی کہتی تھی۔

مرزا داغ دہلوی اور حجاب کے بہت سے اُستاد مشہور ہیں کلام کا نمونہ یہ ہے

عدو کے کہنے سے مجھکو ذلیل و خوار کیا — سزا یہ اُسکی ہے میں نے جو تمکو پیار کیا
کہونگا داورِ محشر کے آگے حشر میں بھی — کہ عمر بھر اسی کافر کو میں نے پیار کیا
ہم اور پیچ میں آتے ہیں اُنکی باتوں کے — انھوں نے وعدہ کیا ہمنے اعتبار کیا
ستا تو چرخ بھلا اس سے تجھ کو کیا حاصل — کسی کا تیوہ ذاتی جو اختیار کیا
مرا ہی ہر کہ طرفیں سے ہوئے چپی — مرے تڑپنے نے اُنکو بھی بے قرار کیا
ایکدم بھی کسی کروٹ نہیں ملتا آرام — ہائے بیچیں ہیں ہم درد جگر سے کیا کیا

اُس سے کہدو کہ ہمیں تم سے یہ امید نہ تھی — وعدہ ہمسے ہو رہو غیر کے گھر دل کی رات

حال حجاب قابلِ شرح و بیاں نہیں — آنسو نہ ٹپکے سکے یہ وہ داستاں نہیں
دو اور میرے گھر میں چلے آئیں خود بخود — سر پر مرے حجاب مگر آسماں نہیں

رقیب نے اُسے رُسوا کیا سرِ محفل — عصمت تو یہ ہے کہ اسیر بھی ترمسار ہیں

وہ شرما کر ترا میری بغل میں جلوہ گر ہونا

ستم کی جور کی بیداد کی کافی شہادت ہے

جُدائی میں مرا بیتاب بے خود بے خبر ہونا

وہ تڑپانا کسی بیدرد کا مجھ کو نڈر ہو کر

وہ میرا ڈرتے ڈرتے شاکی دردِ جگر ہونا

جو اک سوتے ہوئے فتنہ کو چونکائینگے غفلت سے

ان آنکھوں میں مناسب ہے قیامت کا اثر ہونا

حجاب آکر سندیلہ میں جو شاعر جمع ہوتے ہیں

مزا دیتا ہے کیا کیا مجمع اہل ہنر ہونا

حجاب (ط) تخلص منی بائی نام منجھلی لقب۔ کلکتہ بازار کولوٹولہ کی ایک طوائف تھی۔ مولوی عصمت اللہ صاحب جو پہلے مجبور اور بعد ازاں انسخ تخلص کرتے اور مولوی عبدالغفور صاحب نساخ مصنف تذکرہ سخن شعرا کے شاگرد قصبہ پنڈوہ ضلع ہگلی کے رہنے والے تھے۔ اس کے شعروں پر اصلاح کرتے تھے۔ یہ شاعرہ اولاً کلکتہ میں رہی اور پھر رامپور بھی آئی۔ موسیقی میں اسکو کمال تھا۔ ۱۲۹۹ھ میں عالم شباب تھا۔

عجب ماہ کشی اک صاحب عصمت کے کوچہ میں
ستم اے دل کسی پردہ نشیں کا پردہ در ہونا
وہ اُس کا مجھکو چُپکے مُسکرانا حوں رُو دیے پر
وہ میرا دل ہی دل میں واصف دنگ اثر ہونا
نہیں عادت سے خالی پیش دشمن او ستم پیشہ
یہ مُنھ میری طرف ہونا تری نظریں اُدھر ہونا
غضب ہے دِل کا رہ رہ کر تڑپنا میرے پہلو میں
کیے دیتا ہے ظاہر بسمل تیرِ نظر ہونا
بہت کچھ ہو چکی ہے پوچھ کچھ ارباب محفل کی
ذرا او چشم آرا مخاطب اب ادھر ہونا
جو تنہا پاس مرا دل کو شایاں ہے محبت میں
تو آنکھوں کو ہے لازم دیدۂ حسرت نگر ہونا
جو تجھ کو اپنے چشم شوق کی پتلی سمجھتا ہے
ستم ہے اس سے پوشیدہ ترا مثل نظر ہونا
قیامت تھا ستم تھا قہر تھا خلوت میں او ظالم

ہوا شب کو جو دھوکا اپنے اختر کا ستاروں میں

حجاب فخر النسا بیگم نام ہے۔ زمانۂ حال کی ایک مشہور شاعرہ ہیں۔ شاہجہان پور وطن ہے۔ اکثر مشاعروں میں شریک ہوئیں اور شعرا کو اپنا کلام سنایا۔ قنات وغیرہ کی آڑ میں پڑھتی ہیں اور اہل کمال سے داد لیتی ہیں۔ نہایت خوب شعر فرماتی ہیں اب کوئی ۴۵ - یا پچاس برس کی عمر ہے۔ اب تک بقید حیات ہیں ہیں ایک غزل نقل کرتا ہوں جو سید التفات رسول مرحوم تعلقدار سندیلہ کے مشاعرہ میں پڑھی تھی۔ نہایت خوب غزل ہے اب غالباً ایک دیوان جمع ہو گیا ہو گا۔ آجکل شاید مشاعروں میں شرکت نہیں فرماتیں۔

کہاں ممکن ہے پوشیدہ غم دل کا اثر ہونا
لبوں کا خشک ہو جانا بھی ہے آنکھوں کا تر ہونا

غضب مل کر جدا مجھ سے ترا او فتنہ گر ہونا
ستم نالوں کا پر تاثیر ہو کر بے اثر ہونا

جگر میں درد لب پر نالۂ وحشت اثر ہونا
عیاں کرتا ہے اک رشک پری کا دل میں گھر ہونا

کیا جانے بھلا لذت دیدار کو اپنی — جب تک کوئی نادیدہ جو سار ہووے

حجاب تخلص تھا نواب بیگم نام - چھوٹی بیگم عرف تھا۔ نواب
اعظم علی خاں فرزند نواب معتمد الدولہ بہادر برادر غازی الدین حیدر بادشاہ
اودھ کی صاحبزادی تھیں نہایت خلیق نیک نہاد شریف پرور تھیں ۱۲۵۹ھ
میں پیدا ہوئیں اور اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ بادشاہ اودھ
سے نکاح ہو کر بیگمات میں داخل ہوئیں آخر میں بحالت نظربندی بادشاہ
کے ساتھ کلکتہ چلی گئیں شعر و شاعری سے نہایت ذوق تھا بلکہ بعض تذکرہ نویس
لکھتے ہیں کہ صاحب دیوان تھیں ایک شعر یادگار ہے

حسن کے تصویر حجاب اسکو سراپا دیکھو — منہ سے بولو نہ کچھ آنکھوں سے تماشا دیکھو

تذکرہ چمن انداز کے مصنف نے لکھا ہے کہ دیوان اختر یعنی واجد علی شاہ
بادشاہ کے یہاں ایک خمسہ اُن کے نام سے موجود ہے نمونہ یہ ہے -

کہیں کیا لے حجاب آخر یہ دیکھا آنکھ سے ہم نے
کیا طوفاں بپا پھر سرشک چشم پُرنم نے
اُڑا دی نیند اُس کی جب فراقِ یار کے غم نے
گزاری رات ساری تارے گن گن کے ہے عالم نے

مجھ کو کدورتوں سے ملاتے ہو خاک میں کہہ دیجئے جو آپ کے دل میں غبار ہو
دشمن کا شکوہ تم نہیں سنتے نہیں سہی میرا ہی غم سنو نہ اگر ناگوار ہو

حبیب۔ ایک پردہ نشین عفت مآب دہلی کی خاتون کا تخلّص تھا۔ جو ۱۸۶۰ء تک زندہ تھی۔ ایک مرتبہ اپنے چچا کو جو نابھہ میں مقیم تھے یہ شعر لکھ کر بھیجا۔

رکھیں ہمنے باریک بٹ کر سویاں چچا آکے نابھہ سے چٹ کر سویاں

حجاب۔ تخلص تھا عسکری بیگم نام تھا۔ یہ عفت مآب ملا محمد نعمان اصفہانی کی پوتی۔ محمد علی خاں مسیحا کی شاگرد۔ لکھنؤ کی رہنے والی تھی شعر و شاعری سے ایک فطری ذوق و شوق تھا۔ اکثر مشاعرہ اپنے مکان پر کرتی اور کبھی کبھی اُن کی غزل بھی پڑھی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ پوری غزل شائع ہوئی تھی اب صرف ایک شعر یاد ہے۔

رات کو آئینگے ہم صاف معمّا یہ ہے وعدۂ وصل کیا اُسنے دکھا کر گیسو

حجاب۔ ایک کشمیری عفت مآب خاتون کا تخلّص تھا جو ۱۲۹۳ھ میں اپنے شوہر کے ساتھ بمبئی میں مقیم تھی۔ اُردو کی شاعری میں بھی مشق تھی اور فارسی کے شعر بھی کہتی تھی۔ اُسی کا یہ شعر ہے۔

ریختہ گو تھے۔ اس کے اُستاد تھے مصنف طبقات الشعرا لکھتے ہیں کہ ۱۷۹۹ء عہد عالمگیر ثانی میں ایسا مرتب شدہ دیوان ایک وی جان انگریز کو نذر دیدیا تھا۔ جو نہایت قدر کے ساتھ لے لیا گیا اور اب تک لندن کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ افسوس اور تعجب ہے کہ اس ماہر فن کا صرف ایک شعر تذکروں میں ملتا ہے جو نقل کیا جاتا ہے

اخلاق سے تو ایسے واقف جہاں ہیگا
پر آپ کو غلط کچھ اب تک گماں ہیگا

چھوٹے صاحب۔ لکھنو کی ایک شاہد بازاری تھی۔ انور کے دربار میں نوکر تھی ایک شعر یادگار ہے جو مصنف جمس انداز نے کسی بیاض سے نقل کیا تھا اور میں تذکرہ مذکور سے نقل کرتا ہوں۔

کرتیاں جالی کی پہنے ہیں جو ان حسیں
حسن کی موج میں دیکھے یہ وہ پوشش ہوئے

حاے حطی

حاتم۔ یہ ایک پردہ نشیں دہلوی کا تخلص تھا جو ۱۲۹۳ھ تک یقیناً زندہ تھی۔ زیادہ حال معلوم نہیں ہوا۔ کلام یہ ہے۔

زمانہ تھا کہ چندا کی شاعری آفتاب نصف النہار بن کر دکن کے آسمان شہرت پر چمک رہی تھی۔ ظاہرا یہ ایک شاہد بازاری تھی مگر دولت وحشمت عزت ورفعت میں اپنے زمانہ کے رؤسا سے بڑھی ہوئی تھی۔ قریب پانچسو سپاہیوں اور برق اندازوں کے ہر وقت دروازہ پر مستعد رہتے تھے۔ خوبصورتی کے علاوہ خوش سیرت بھی تھی سیکڑوں شعرا ہر وقت اسکی مدح وثنا کرتے تھے اور گوہر مقصود سے اپنا دامن بھر کر لیجاتے تھے فن موسیقی میں اسکو کمال مہارت تھی۔ اسکے علاوہ گھوڑے کی سواری کا بھی شوق تھا اور اسمیں بھی ایک کامل شہسوار کی طرح اپنے جوہر دکھاتی تھی فنون جنگ بھی سیکھے تھے تیر اندازی میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ ورزش کرتی تھی۔ اور پہلوانی کا دم بھرتی تھی۔ ان سب باتوں کے علاوہ بڑی فوقیت جو شاعرہ ہونے کی حیثیت سے اسکو حاصل تھی وہ یہ تھی کہ جیسے ریختہ گویوں میں فرقۂ ذکور میں ولی کو سب سے پہلے ترتیب دیوان کا شرف حاصل ہے اسی طرح طبقۂ اناث میں ریختہ کی سب سے پہلی صاحب دیوان یہی گزری ہے۔ کلام میں جملہ اصناف سخن پر قادر تھی شیر محمد خاں متخلص بہ ایمان جو حیدرآباد کے ایک نہایت مشہور اور اپنے وقت کے مستند

یا الٰہی یہ کس سے کام پڑا — دل تڑپتا ہے صبح و شام پڑا

روٹھنے کا عبث بہانا تھا — مدعا تم کو یاں نہ آنا تھا

یہ کسکی آتش غم نے جگر جلایا ہے — کہ تا فلک مرے شعلے نے سر اٹھایا ہے

ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم رہے — کاسۂ نرگس میں جوں شبنم بھرے

آیا یہ کبھی خواب میں بھی وصل میسر — کیا جانیے کس ساعت آنکھ لگی تھی

یہ دل کو صبر یہ جی کو قرار رہتا ہے — تمھارے آنے کا بس انتظار رہتا ہے

جیم فارسی

چندا تخلص بھی یہی ہے نام بھی یہی ہے ۱۹۹۶ء میں جبکہ
صوبہ دار ارسطو جاہ کے رفعت و صولت کا بازار دکن میں گرم تھا یہی

جمیعت - دین مسیحی کی پیرو تھی - اسکی ماں یا نانی ہندوستانی تھیں - باپ انگریز تھا - میجر آرجسبٹن سے اسکی شادی ہوئی تھی آگرہ میں قیام تھا میجر آرجسبٹن سے کئی ایک لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں جو سب کی سب یورپین اصحاب سے منسوب ہوئیں جمیعت ایک نہایت ذکی اور طباع عورت تھیں - برج بھاکھا میں انکی ہولیاں، دادرے ٹھمریاں ٹپہ بھی موجود ہیں - فارسی میں بھی اچھا خاصہ دخل رکھتی تھیں - موسیقی میں کامل مہارت تھی - اُردو کے شعر بھی خوب کہتی تھیں - نمونہ کلام یہ ہے

روٹھا ہی ہمارا جو وہ دلبر کئی دن سے ۔۔۔ اسواسطے رہتی ہوں میں مضطر کئی دن سے

مقسوم کی خوبی ہی یہ قسمت کا ہی احساں ۔۔۔ رہتا ہی خفا مجھ سے جو دلبر کئی دن سے

خدا کے روبرو جانا ندامت مجھ کو بھاری ہے

کوئی نیکی نہ بن آئی اسی کی شرمساری ہے

جنیا بیگم - مرزا بابر مغفور کی دختر نیک اختر کا نام تھا - جہاندار شاہ بہادر ولیعہد بادشاہ دہلی کی خاص محل تھیں - کبھی کبھی شعر بھی کہتی تھیں جو زبان کی خوبیوں میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے مصنف چمن انداز کا بیان ہے کہ مرزا رفیع سودا کی شاگرد تھیں - نمونہ کلام یہ ہے ـــ

لے وہ بار امانت اٹھا لیا میں نے — کہ آسماں و زمیں بھی جسے اٹھا نہ سکے
بوقت قتل مرے شوق بیقرار کو دیکھ — ہوا وہ اُن کو تحیر کہ ہاتھ اٹھا نہ سکے
وہ رعب حسن تھا غالب بوقت دید جمال — ہم اپنا حال اشاروں سے بھی سنا نہ سکے
چلے تلاش میں اسکی رہ طلب میں مگر — کچھ ایسے کھوئے کہ اپنی خبر بھی پا نہ سکے

جفائے اہل وطن کی یہ انتہا ہے حمال
قسم تک اپنے وطن کی ہم آہ کھا نہ سکے

سودائے خام سر سے کافور کر دیا ہے — دل اُن کی یاد نے کیا مسرور کر دیا ہے
ہر سانس اک لہو کا دریا سی ہو گئی ہے — دل میں کسی نے ایسا ناسور کر دیا ہے
اے چشم مست جاناں تیری ہی مستیوں نے — نرگس کو یوں چمن میں مخمور کر دیا ہے
ایسے کے جا بجا لے ہاں اک نظارہ میں بھی — جلوہ فروشیوں نے دل طور کر دیا ہے
پہلے وفا پہ کب تھا آمادہ وہ جفا جو — میری ستم کشی نے مجبور کر دیا ہے
ہستی سے میری پہلے واقف تھا کب زمانہ — اُس بت کی اک نظر نے مشہور کر دیا ہے
خوش باش اے تصور اک حسن جو دکھا کے — جلووں سے خانۂ دل معمور کر دیا ہے

ہوں بے نیاز صہبا تا حشر اے جمالی
ساقی کی اک نظر نے مخمور کر دیا ہے

تصور اس صنم کا دل میں لائے جس کا جی چاہے
ہماری بات سن کر آزمائے جسکا جی چاہے
محبت کے محل میں عاشق جانباز رہتا ہے
نہیں خالہ کا گھر اس میں جو آئے جسکا جی چاہے

جعفری - یہی نام بھی تھا یہی تخلص بھی تھا۔ لکھنؤ کی ایک مشہور طوائف تھی منشی فدا حسین فصنا سے اصلاح لیتی تھی مدتوں لکھنؤ میں رہی آخر کلکتہ چلی گئی بارہ سو نواسی ہجری میں زندہ تھی انداز کلام دیکھئے۔

منھ کو آجائے کلیجہ ضبط کی طاقت نہو
گر ہمارا دل رہے دم بھر کسی دل کے پاس

جمال - ملقبیس نام ہے جمال و جمالی تخلص ہے زمانہ موجودہ کی خوش فکر شاعرہ ہیں۔ نظم و نثر دونوں پر قادر ہیں۔ متفرق گلدستوں اور رسالوں میں کلام شائع ہوتا ہے۔ نمونتاً کچھ کلام نذر ناظرین ہے یہ کلام ۱۹۲۴ء کا ہے

در حبیب سے اپنی نظر ہٹا نہ سکے
لبوں پہ دم تھا مگر آنکھ ہم چرا نہ سکے
وہ کیا چڑھائینگے پھول آکے میری تربت پر
جو جیتے جی کبھی بالیں پہ میری آنہ سکے
کرینگے قید قفس سے وہ کیا رہا ہمکو
قفس کی تیلیوں سے جو چمن دکھا نہ سکے
کئے جو درد سے نالے اسیر بلبل نے
کچھ ایسی اوس پڑی پھول مسکرا نہ سکے

دو چار شعر نمونتاً ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

بیاں میں کس سے کروں جا کے اس گلا دل کا
یہ دل کا دل ہی میں ہووے گا فیصلہ دل کا

دل جس سے لگایا وہ ہوا دشمن جانی
کچھ دل کا لگانا ہی نہیں راس نہ آیا

نہیں ٹانکے مرے زخم جگر پر
یہ اس کا جذبۂ دنداں نما ہے

نہیں ٹلتی کسی عنواں سر سے
شب غم بھی کوئی کالی بلا ہے

دہاں پر تیرے تھا ہم کو توہم
یہ ہم پر آج ہی عقدہ کھلا ہے

جعفری تخلص تھا کاملہ بیگم نام تھا شاہ نصیر استاد ذوق کی شاگرد تھیں اپنے زمانہ کی مشہور خوش گو تھیں عہد شاہ عالم بادشاہ میں زندہ تھیں کلام یہ ہے۔

ساقیا مجھ کو ترا ساغر پلانا یاد ہے
کلمۂ لاتقنطوا سے دل جھکانا یاد ہے

کہا منصور نے سولی پہ چڑھ کر عشق بازوں سے
یہ اس کے نام کا زینا ہے آئے جس کا جی چاہے

غرور حسن پر ہم سے وہ ناحق جھانجھ کرتا ہے
یہ نوبت چند روزہ ہے بجائے جس کا جی چاہے

جیم تازی

جان تخلّص (ط) اور صاحب جان نام تھا۔ فرخ آباد کی رہنے والی تھیں حسین صاحب جمال تھیں۔ مگر حسن صرف زینت بازار رہا چند روز بازار دہلی کی بھی افزایش زینت کا باعث ہوئی تھیں۔ دو چار شعر محفوظ تھے جو درج کرتا ہوں۔

حال جانبازی کا میں کس سے کہوں　　جس سے کہتی ہوں وہی ہنستا ہے
جان و دل بیچتے ہیں ہم اپنا　　ایک بوسہ پہ لیلو سستا ہے

جانی۔ نواب قمرالدین خاں مرحوم کی دختر نیک اختر موسوم بہ بیگم جان المعروف بہ بہو بیگم کا تخلص تھا۔ یہ شاعرۂ گرامی اودھ میں نہایت مشہور و معروف گزری ہیں۔ نواب آصف الدولہ بہادر کی حرم تھیں۔ عمر بھر داد و دہش اور نیکنامی اِن کا شعار تھا۔ آخر وقت میں جب عالم نزع تھا ایک خواجہ سرا ہمدم نامی عیادت کے لئے آیا۔ اور آپ سے آپکا مزاج پوچھا۔ کرب و تکلیف کے عالم میں یہ شعر فی البدیہہ نظم کرکے ارشاد فرمایا

کیا پوچھتا ہی ہمدم اس جان ناتواں کی　　رگ رگ میں نیش غم ہے کہئے کہاں کہاں کی

اہلیہ کا تھا۔ غدر ۱۸۵۷ء میں بیوہ ہوکر اپنے کسی عزیز کے پاس اکبرآباد چلی گئی تھیں اور وہیں عمر بھر رہیں۔ اس ہنگامہ اور اپنی بیوگی کی وجہ سے دل کچھ ایسا متاثر ہوگیا تھا کہ شعروشاعری کو بھی خیرباد کہدیا اور بقول میر حسن

گیا حکم اپنا ہی جی پر زائل کہاں کی رباعی کہاں کی غزل

سب باتیں چھوڑکر ایک فقیرانہ وضع میں زندگی گزارتی تھیں۔ نمونہ کلام یہ ہے

تا دیں ہم تمھارے کاکل شکوں کو کیا سمجھے
یہ کہتی ہم اپنی بلا اسے کالی بلا سمجھے
ادھر دیکھا اٹھا کر ہم بسمل کردیا اُس کو
تری مژگاں کو ہم سوفار پیکاں قضا سمجھے

ثنا۔ آگرہ کی ایک خوش کلام شاعرہ طلقۂ شرفاء سے تھیں ایک شعر یادگار ہے۔

رہا ہر اتو یہ کی جلدی کیا ہے
یہ بھی کہہ لینگے جو فرصت ہوگی

گلستان بیخزاں کی شاگرد ہو۔ مگر یہ قرینِ قیاس نہیں ہے۔ اس لئے کہ کتاب مذکورۂ بالا گلشن بیخار کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ اور غرض اسکی تدوین و ترتیب سے اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے جو گلشن بیخار میں نظیر اکبر آبادی کو ایک عامیانہ بازاری شاعر بتایا ہے اسی وجہ سے گلستان بیخزاں میں مشاہیر دہلی مثل غالب و مومن پر اعتراض کئے گئے ہیں۔ اگر یہ شاعرہ مصنف گلستان بیخزاں کی شاگرد ہوتی تو غالباً ازراہ تفاخر یہ اُس کا ذکر کردیتے۔

تا ۓ ہندی

ٹھٹولی۔ صرف تخلص اور ایک شعر جو درج تذکرہ کیا جاتا ہے دوسرے تذکروں میں ملتا ہے اور نہ نام کا پتہ ہے نہ مسکن کا نہ حالات کا نہ خیالات کا۔

ٹھٹولباز کہے تھا یہ کل ٹھٹولی سے　　　کہ مان میرا کہا آ اُتر کے ڈولی سے

ثاۓ مثلثہ

ثریا تخلص۔ نبڑی بیگم۔ مرزا علیخاں وظیفہ خوار شاہ دہلی کی

سنہ ۱۲۹۹ھ میں عالبا زندہ تھیں ایک شعر تذکرہ تمیم سحر میں ملتا ہے۔ جو دست تذکرہ ہے۔

کچھ نہ پوچھو اشتیاق وقت نزع دو قدم جاتی ہے پھر آتی ہے روح

تائے قرشت

تسلی تخلص ماجان نام کرنال کی ایک پردہ نشین عصمت فروش تھی اسی برس کے قریب انتقال کو زمانہ گزر چکا ہے مگر یہ شعر اب تک یادگار ہے

اے تسلی تراول چھین لیا ہے کس نے ہاتھ سینہ پہ دھرے گود میں کیوں جاتی ہے

تصویر گلستان سخن میں بعیر نام و بعیر نشاں وغیرہ کے صرف دو شعر لکھے ہیں۔ انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی یا اطراف وجوانب دہلی کی رہنے والی تھی اور کم از کم میر مصحفی کا زمانہ پایا۔

چل ہوا کھانے صبا اس دل دلگیر کو بھی لے کیا مرو پائیگی تو صحبت تصویر کو چھوڑ

محتسب تک کھنچی ہے تو تیر مجنوں کی کہ رسی لیلی میں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی

مصنف تذکرہ جمیں لکھا ہے ایسا قیاس بیان کیا ہے کہ شاید یہ شاعرہ مصنف

گر دے اے باد اجل گل اب ہی شمع حیات　　میری دو روزہ زندگی کی کاش اب ہو جا رات

ایک فارسی غزل کے اشعار بھی ملاحظہ فرمائیے۔ خسرو کی نکالی ہوئی زمین پر آپ نے بھی نہایت عمدہ طریقہ سے طبع آزمائی کی ہے ـــ

جمالش زینت دل بود شب جائیکہ من بودم　　بچشم دہر باطل بود شب جائیکہ من بودم

زفیض جنبش ابروے آں شوخ کماں سازی　　دل من نیم بسمل بود شب جائیکہ من بودم

نگاہم بر تجلائے رُخ آئینہ رخسارے　　سرم بر پائے قاتل بود شب جائیکہ من بودم

بپر سرانی رہبر کامل طریق عشق و الفت را　　سر تلوار منزل بود شب جائیکہ من بودم

خودش را من نہ دانستم چہ دانم صدر را صوفی　　گل صد رنگ محفل بود شب جائیکہ من بودم

دلم پر داخت با باد جمال دوست داد با من　　وجود غیر باطل بود شب جائیکہ من بودم

چسان دل محو ملیساز دزیادم کیف و شیشہ　　دلم نخچیر قاتل بود شب جائیکہ من بودم

زفیض نرگس مستان ساقی شد بپا محشر　　جہان نخچیر دل بود شب جائیکہ من بودم

خط رنگیں کہ بر پیشانی بسمل کشیدہ تیغ　　نشان عشق کامل بود شب جائیکہ من بودم

خم زلف نگارے کرد پنہاں طرفہ اعجازے　　خیالم در سلاسل بود شب جائیکہ من بودم

پیاری تخلص (ط) پیاری جان نام تھا۔ واد ہواں رنگ محل متعلقہ گجرات کی رہنے والی تھیں شاہد بازاری اور بازار کی زینت افزا تھیں

آہ وہ ایامِ عشرت ہائے وہ لیل و نہار
واپس آسکتے نہیں اس زندگی میں زینہار

ہائے آتش زیر آہیں خوں میں ڈوبی ہوئی
آنکھ غم آگیں نگاہیں غم میں ڈوبی ہوئی

صورتیں یہاں سے بچھڑتے ہیں یہاں آکے ملے
ہونٹھ تھر تھر کانپتے ہیں گفتگو کرتے ہوئے

کیا حقیقی اس طرح لٹ جائیگا یہ کارواں
کیا حقیقی در پئے آزار ہوگا آسماں

اے اجل کیوں تو نے لوٹے میرے اسبابِ نشاط
اور غم سے ہوگیا بے نور مہتابِ نشاط

آ نہیں سکتا پھر اب وہ وقت یہاں کبھی
صبحدم بستر سے میں اٹھتی ہوں ماحرمی

اٹھ رہے ہیں تخت پر وہ میرے آقا جاں نثار
اور جبیں نور افشاں سے ٹپکتا ہے نیاز

چھاؤں میں تاروں کی سفیدی میں لپٹے ہوئے
گرد سجے ہیں اُنکے شاداں بیٹھے ہوئے

ہائے آقا جان یکدم اس طرح پھیری نگاہ
اس جہاں میں آپ نے ہمیں چھوڑا آخر یا آہ

رابعہ صدقے گئی یہ بند آنکھیں کھولئے
آہ ان معجز نما ہونٹوں سے کچھ تو بولئے

ہائے سینہ سے لگا لیجئے ہمیں پھر ایکبار
ہو رہے ہیں دیکھئے ہم لوگ کتنے بیقرار

اے اجل تجھکو مبارک ہوں یہ ظلم آرائیاں
لوٹ لے دل کھول کر ظالم یہ گلزارِ جہاں

ہے مگر اپنی ہستی سے ترے دریائے ظلم
ہے ہمارے خوں سے لبریز یہ میلۂ ظلم

میری بربادی میں مضمر تیرا رازِ زندگی
سو رہی مظلوم کا ظالم کا سازِ زندگی

آہ ہو جائے شکستہ کاش یہ تارِ قفس
ہو کہیں آزاد یہ مرغِ گرفتارِ قفس

سینہ ہے ایک یاس کا صحرا لیے ہوئے | دل رنگ گلستان تمنا لیے ہوئے

ہے آہ درد و سوز کی دنیا لیئے ہوئے | طوفان اشک خون ہے گریا لیے ہوئے

اک کشتۂ فراق کی تربت پہ نوحہ گر | داغ جگر میں شمع تمنّا لیے ہوئے

میں اک طرف ہوں شکل خزاں پائمال یاس | اک سمت وہ بہار کا جلوا لیئے ہوئے

جانا سنبھل کے اے دل بیتاب بزم میں | ہے چشم ناز محشر غمزا لیے ہوئے

سوزاں نہ یہ چمن ہو مرے نور آہ سے | او گلشن جمال کا جلوا لیے ہوئے

مجنوں سے تو حقیقت صحرائے نجد پوچھ | ہے ذرہ ذرہ جلوۂ لیلا لیے ہوئے

عشق جنوں نواز چلا بزم ناز میں | اک اضطراب شوق کی دنیا لیے ہوئے

میری تو ہر نگاہ ہے وقف عبودیت | وہ ہر ادا میں حسن کلیسا لیے ہوئے

مرہم سے بے نیاز ہیں پنہاں یہ زخم دل
کیا کیا فسوں ہے چشم دل آرا لیے ہوئے

ایک نظم کے دو چار شعر لکھتا ہوں جو اُنھوں نے اپنے والد جناب مولوی عبدالاحد خاں صاحب مرحوم کے انتقال کے صدمہ سے متاثر ہو کر لکھی ہے میرا ارادہ تھا کہ تمام و کمال نظم لکھ دوں مگر چونکہ بہت طویل ہے اس لئے دو چار شعر منتخب کر کے لکھتا ہوں۔

ساتھ ہم لیگئے سرمایہ عدم کو اپنا　　درد دل دیتے کسے سوز جگر کیا کرتے

٭٭

خدا نہ غم سے رہا زیر آسماں کوئی　　بچا نہ ہاتھ سے اس پیر کے جواں کوئی

٭٭

دنیا میں مثل خواب ہماری حیات ہے　　کیونکر خیال یار نہ پیش نظر رہے
تاریکی عمل سے کیا گور میں مقام　　منزل میں شب ہوئی تو سرا میں اتر رہے
کس طرح بعد مرگ بھی غم ساتھ لے چلو　　بہتر ہے پاس اپنے جو زاد سفر رہے

پنہاں تخلص ہے سپہر آرا خاتوں نام ہے۔ زوجہ خطاب ہے آپ بریلی کے ایک معزز خاندان سے ہیں مولوی عبدالاحد خاں صاحب جو الہ آباد کے سررشتہ تعلیم سے تعلق رکھتے تھے اور جنکی ادبی خدمات ہر طرح قابل توجہ ہیں۔ اُن کی صاحبزادی ہیں ۔ زمانہ موجودہ کی بہترین شاعرہ ہیں نظم و نثر دونوں میں کافی مہارت رکھتی ہیں بلکہ نظم و نثر کے علاوہ آپ زبان فارسی میں بھی نہایت اچھے شعر کہتی ہیں۔ زنانہ رسالوں کے علاوہ بھی کوئی ادبی رسالہ آپ کے فیض سخن سے محروم نہیں ہے میں جملہ اقسام کلام کا کچھ نمونہ پیش کرتا ہوں ۔ غزل کا نمونہ

کی شاگرد تھیں۔ اُنھیں سے مشق سخن کرتی تھیں اور اُردو میں اکثر فکر شعر کرتی تھیں نمونۂ کلام یہ ہے۔

گیسوئے پُرپیچ جاناں کے حضور
پیچ کی لیتا ہے تو سنبل عبث

سلسلہ زنجیر کا اچھّا نہیں
ہے خیال گیسو و سنبل عبث

پکھراج (ط) پکھراج بیگم نام تھا۔ اکبرآباد مولد اور اٹاوہ مسکن تھا۔ اُردو میں شعر کہتی تھیں شعروں سے پتہ چلتا ہے کہ بہت عمدہ طبیعت پائی تھی۔ آمد کا کلام میں خاص خیال رکھتی تھیں۔

ہمیں ہر طرح ٹھہرتے ہیں خطاوار اُن کے
جب بگڑتی ہے کوئی بات بنا دیتے ہیں

خواب میں سیر کیا کرتی ہیں آنکھیں اُن کی
جب وہ سوتے ہیں تو جادو کو جگا دیتے ہیں

ولہ

ساتھ لیجاتے غم یار نہ کیونکر بس مرگ
ایسے بزاد سفر قصد سفر کیا کرتے

بار اُٹھ سکتا نہیں موئے کمر کا اُن سے
پھر وہ شمشیر گراں زیب کمر کیا کرتے

یہ ملاحت رُخ دلکش کی کہاں سے لاتے
ہمسری تجھسے بھلا شمس و قمر کیا کرتے

یہ کھلا ہو اگریباں یہ نمود حسن ہستی　　یہ خمار زیر آنکھیں یہ شباب پرستی
تری مستیاں وہ سمجھے جو حرام رنگ و بو ہو　　ارے او جوان ساحر یہ جہاں ہو اور تو ہو

پری (ط) بی سیوا نام عرف بی سیجو۔ کلکتہ کی ایک یہودن تھی۔ خوش صورت۔ خوش سیرت تھی۔ انگریزی بھی جانتی تھی۔ اردو فارسی میں بھی مہارت تھی۔ تھوڑی بہت عربی سے بھی ماہر تھی کبھی کبھی اردو میں فکر شعر کرتی تھی ۱۲۹۹ھ میں زندہ موجود تھی۔ نمونۂ کلام یہ ہے

سن کے میرا قصۂ غم ہنس کے کہتا ہے وہ شوخ
ہم نہ سمجھے کچھ کہ اس قصہ کا حاصل کیا ہوا
اس کسی کے پاؤں میں ایسے کڑے پڑتے نہیں
بعد میرے بار واماندِ سلاسل کیا ہوا
ہم ہیں اور آپ ہیں خلوت میں کوئی غیر نہیں
کیا عجب چین سے ہو جائے بسر وصل کی رات

پری (ط) اچپن جان نام اکبرآباد کی ایک شاہد بازاری کا تخلص تھا مشی فدا حسین یا میر حسن کا کہیں تذکروں میں پتہ نہیں چلا

غالباً نومبر ۲۴ء کے رسالۂ پیمانہ میں ساغر صاحب ایڈیٹر پیمانہ نے اپنی ایک تصویر (ساغر عالم رنگ و بوم) کے عنوان سے شائع کی تھی جسکو دیکھکر پروین نے یہ نظم کہی۔ نظم نقل کرنے سے پہلے مجھے یہ لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آجکل ملک کے موقر رسالے جو خواتین ہند کی عریاں نویسی کے عنوان سے متواتر مضامین لکھ رہے ہیں اُن کی بانی ایسی ہی نظمیں ہو سکتی ہیں جو بلاشک صنف نازک کے لئے مخرب اخلاق کہی جا سکتی ہیں۔

پہلا رُخ

یہ وقار یہ متانت یہ تراکم صباحت — یہ جبین صبح طلعت یہ تلاطم لیاقت
یہ حسین وضع و تمکین یہ نظر کی دلفریبی — یہ تناسب مؤثر یہ فسون جامہ زیبی
لب تنگ آفریں میں یہ چھپا ہوا تبسم — یہ دہان غنچہ پیرا یہ تراوش تکلم
ہے فسانہ ہر نگہ میں ہر ادا میں ہے کہانی — یہ شہاب سی اُمنگیں یہ شراب سی جوانی

دوسرا رُخ

یہ گلاوٹیں یہ شوخی یہ ادائے بے حجابی — کسی کنج گل میں جیسے ہو پڑا کوئی شرابی
یہ عذار بوس کاکل یہ نمایش پریشاں — کہ شراب جیسے اُڑ کر بنے آتش گلستاں

عاشق شاعری کا پتہ دیتے ہیں۔

جو میری بستی برباد کر کے فتنہ گر تو نے
میں تکتی رہ گئی اور پھیر لی اپنی نظر تو نے

پتہ ہے اے صبا میرا نہ گلشن میں نہ مدفن میں
نہ جانے میری مٹی پھینک دی ظالم کدھر تو نے

سزا ملتی ہے لیکن بے وفا ایسی نہیں ملتی
ذرا سے جرم الفت پر ستایا عمر بھر تو نے

فریبِ کامیابی اے دلِ مضطر مبارک ہو
اک امید اثر پر آہ کھینچی رات بھر تو نے

تجھے تو صبحِ محشر کی گرانجانی سے لرزہ ہے
ابھی میری مصیبت کی کہاں دیکھی سحر تو نے

ابھی اک تیر سا سینہ میں آکر کر گیا زخمی؟
کیا تھا کیا خدا معلوم سینہ تان کر تو نے

لطائف رہگذار سرح کے کچھ تو سنا پردیں
علیگڈھ سے کیا ہے جو متھرا کا سفر تو نے

ورود سرما

رباعی

برسات گئی تو فصل سرما آئی — بادامن تر نسیم دریا آئی
اللہ ری سرد مہری وادی نجد — بردِ یمنی میں چھپ کے لیلیٰ آئی

باغوں میں وہ لطف سیر کا بھی نہ رہا — برفاب کا ذوق جانفزا بھی نہ رہا
سردی نے نشاط صبح پانی کر دی — جمنا پہ نہانے کا مزا بھی نہ رہا

گرما میں وہ سرگرمی احباب کہاں — وہ جلوۂ بحر و موج و سیماب کہاں
آسودگی لحاف رنگیں معلوم — نظارۂ تاج و شب مہتاب کہاں

دل سرد ہے جا بادۂ عنابی لا — سونے کے لئے حسین مہتابی لا
دس بجنے کو آئے نیند کا نام نہیں — اے اوّل شب لباس شبخوابی لا

اب غزل کے چند اشعار درج کرتا ہوں جو میرے اندازہ میں

کہ پارسائی شادی عمر بھر اس خیال سے نہیں کی گئی تھی کہ ان کے والد
یعنی میر تقی ہوس اس بات کو عار سمجھتے تھے کہ کوئی داماد آئے۔ نمونہ کلام

تن صورتِ حباب بنا اور بگڑ گیا — یہ قصرِ لاجواب بنا اور بگڑ گیا
چلتا نہیں ہے مالکِ ایام ایک چال — اکثر یہ مدرکاب بنا اور بگڑ گیا

پٹنہ باز۔ کہا جاتا ہے کہ غدر سے پہلے یہ ناظورۂ عصمت فروش
سہارن پور میں موجود تھی۔ اور دیوان میں اس کی شاعری کے اضافہ
کر دیا تھا۔

کرتیاں حالی کی پہنے ہیں جوانانِ حسین — حسن کی فوج میں دیکھے یہ زدوپوش بنے

پروین۔ عزیزہ خاندہ خانم نام ہے۔ اکثر گلدستوں میں نظمیں
وغیرہ شایع ہوتی رہتی ہیں۔ نظموں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے
کہ نہایت اچھا شعر کہہ سکتی ہیں۔ ۱۹۲۷ء جب کہ میں تذکرہ میں
آپ کا ذکر کر رہا ہوں اس وقت تک اپنی سحر سخنی سے سامعہ نوازی
کا اہل ذوق کو موقع دیتی ہیں۔ زمانۂ حال کی خوش گو شاعرہ
ہیں تفصیل کے ساتھ حال معلوم ہو سکا۔ چند رباعیاں جو سرما
کے متعلق ہیں لکھتا ہوں۔

ہوا بال بیکا جو مرزا ہمارا تو پھر سنگ ہے اور شادا تمہارا

گھر سے گانہ کے دوگانا مری مہمان گئی

میں یہ انگاروں پہ لوٹی کہ مری جان گئی

پائے فارسی

پارسا۔ تخلص ہے نواب میرزا محمد تقی خاں ہوس کی دختر نیک اختر کا۔ جو اپنے وقت کے نہایت ہی مشہور و معروف شاعر تھے۔ بعض تذکرہ والے لکھتے ہیں کہ یہ نواب آصف الدولہ کے عزیز قریب تھے اور زمرہ مصاحبین میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ صاحب دیوان تھے۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں اردو کے مصنف ہیں جو مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں شائع ہو چکی ہے۔ بعض غلط نویسوں نے لکھدیا ہے کہ ان کا کوئی شعر لیلیٰ مجنوں کے واقعات سے خالی نہیں ہوتا۔ مگر یہ سراسر غلط ہے۔ ان کے سیکڑوں شعر ان دونوں ناموں سے خالی ہیں۔ مگر ہاں بحر متقارب اور متدارک میں ان کا کلام بیشتر ہے۔

چمن انداز کا مصنف ایک عجیب و غریب روایت بیان کرتا ہے

کیوں وصل میں چھپاتا ہے تو ہم سے یار پیٹ
رکھتا ہے سو ہار کی اک یہ مہار پیٹ

بیگم۔ یہ ایک پچاس باکمال رقاصہ کا تخلص ہے جو اپنے ہنر اور اپنے حسن صورت و سیرت سے اودھ کے عیاش مزاج نیکدل سلطان واجد علی شاہ مرحوم کے محل تک پہونچی اور اُس کی متوجہ ہو کر رشک محل کا خطاب پایا۔ لکھنؤ اور کلکتہ دونوں جگہ بادشاہ کے ساتھ رہی مرتے مرتے حق رفاقت ادا کیا۔ شاعری سے ذوق خاص تھا اور لطف یہ کہ وہ اپنی اصلی بول چال میں شاعری کرتی تھی یعنے اول اول ریختی گوئی کا شوق تھا۔ بعد کو نہ معلوم کیوں اس شاعری کو چھوڑ کر مردانہ شاعری کیطرف مائل ہوئیں - یہ شعر مصنف تذکرۃ الشاعرات کے پاس بھیجے تھے اور اب تک اس تذکرہ میں درج ہیں۔

ہے سطور ہا حق ستانا تمھارا ۔۔۔ گلا کرتی ہے جو دوگانا تمھارا
نہ بھیجو گی سُسرال میں تم دوگانا ۔۔۔ نہیں مجھ کو دو دھر ہے کھانا تمھارا
مری کنگھی چوٹی کی لیتی خبر ہو ۔۔۔ یہ احسان ہے سر پہ دوگانا تمھارا

بعض لوگ اس واقعہ کی طرف اس شعر کو بھی منسوب کرتے ہیں، اور یہ شعر بھی میر صاحب کے دیوان میں موجود ہے۔

دریں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است

مگر مجھے یاد ہے کہ میں نے یہ شعر کسی ایرانی شاعر کے یہاں دیکھا ہے حافظہ یاری نہیں کرتا کہ لکھوں معلوم نہیں کہ میری تحقیقات اور معلومات صحیح ہے یا عقیدت مندوں نے میر صاحب کے لئے اس شعر کو طغرائے امتیاز بنایا ہے۔ بہرحال مرحومہ کے شعر یہ ہیں۔ ایک تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ صاحب دیوان تھیں۔ مگر افسوس کہ اب صرف یہ تین شعر ملتے ہیں۔

برسوں خم گیسو میں گرفتار تو رکھا — اب کہتے ہو کیا تم نے مجھے مار تو رکھا
کچھ بے ادبی اور شب وصل نہیں کی — ہاں یار کے رخسار پہ رخسار تو رکھا
اتنا بھی غنیمت ہے تری طرف سے ظالم — کھڑکی نہ رکھی روزن دیوار تو رکھا

بیگم۔ تارا بیگم نام تھا۔ اور یہ نمونہ کلام تھا۔ اور کچھ حال معلوم نہیں۔

گر گھر کے لوگوں نے دیوانہ سمجھ کر جانے نہ دیا۔ پھر بھی تو پر یہ اثر پڑا کہ اُسی دن ممنوعات و منہیات سے توبہ کر کے بیٹھ گئی اور چھ مہینہ کے عرصے کے بعد ہمیشہ کے لئے آشفتہ کی روح کو وصال دائمی سے مسرور کر دیا۔

بہو۔ معروف بہ بہو بیگم صاحبہ مرحومہ مغفورہ محل خاص نواب یوسف علیخاں صاحب بہادر مرحوم و مغفور سابق والی رامپور متخلص بہ ناظم نہایت خوب فرماتی تھیں۔ یہ دو شعر تذکرۂ چمن انداز سے نقل کیے جاتے ہیں۔ جو بصورت قطعہ ہیں۔

تھی شرم ملاقات میں ہر چند یہ چاہا　　آنکھیں تو لڑاؤں دل اس شوخ ستم سے
پر خوف مگر دل میں یہی آیا کہ ہے ہے　　نازک ہے نہ در جائے کہیں تار نظر سے

بیگم۔ میر تقی میر کی دختر نیک اختر کا تخلص ہے جو شادی کے چند ہی روز بعد دنیا سے رخصت ہوئیں اور جن کی جوانا مرگی پر میر ایسے مستغنی المزاج شاعر کو خون کے آنسو بہا کر یہ شعر کہنا پڑا۔

اب آیا دھیان اے آرام جاں اس نامرادی میں
کفن دینا تمہیں بھولے تھے ہم اسباب شادی میں

موت آتی ہے نہ ہے زیست کا یارا مجھ کو
ہائے آشفتہ ترے مرنے نے مارا مجھ کو
موت پر بس نہیں چلتا ہے کروں کیا ورنہ
تو نہیں ہے تو نہیں زیست گوارا مجھ کو
اب کسے چین کہاں عیش کدھر بستر خواب
نہیں مخمل بھی کم از بستر خارا مجھ کو
ہے غضب وہ تو مرے اور جیوں میں بنّو
موت آجائے تو ہو عمر دوبارا مجھ کو

ولہٗ

نعش آشفتہ کو بیرحموں نے پھونکا آگ سے
آتش غم ہی جلانا مرگ کی کچھ کم نہ تھی ÷

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ جیسے ہی بنو نے مقتول آشفتہ کی جان دہی کا حال سنا دیوانوں کی طرح بے سر و پا ہو کر آشفتہ کا یہ شعر پڑھتی ہوئی آشفتہ کے دیکھنے کے لئے بھاگی۔

بسچتا نہیں ہے کوئی بھی بیمار عشق کا یارب نہ ہو کسی کو یہ آزار عشق کا

سے سودا اور مکار ثابت ہوئیں آخر کار ایک سحر آمدار سے ایسا کام تمام کرلیا۔ اور حوں کی سُرخ چادر اوڑھ کر ہمیشہ کے لئے محو خواب عدم ہو گئے۔ مگر عشق صادق کا حدب کامل آخر کار رنگ لایا۔ اور نو بھی اس واقعہ سے آشفتہ رہنے لگی۔ ہر وقت کے رنج فراق اور سوز جگر نے رفتہ رفتہ حرارت قائم کر دی۔ تپ لازم ہو گئی اور رفتہ رفتہ دِق پر نوبت پہونچی اسی میں کام تمام ہو گیا۔ بارہ سو چھپن ۱۲۵۶ یا ستاوں میں یہ سانحۂ جانگدار پیش آیا۔ شاہ عالم اکبر ثانی کے عہد میں نو اور آشفتہ دونوں زندہ تھے۔ محققین کی رائے ہے کہ نو کو صرف آشفتہ کے فیض صحبت نے شاعر بنا دیا تھا۔ بہر حال نو کے چند شعر سُن لیجئے۔ اور اندازہ کیجئے کہ عشق صادق کس طرح پتھر کو موم بنا دیتا ہے۔ یہ وہ شعر ہیں جو آشفتہ کے مرثیہ میں بطریق نوحہ خوانی ہونے کہے تھے۔

چھوڑ کر مجھ کو کہاں او ستمگر اچلا
توچلا کیا کہ یہ دل بھی ترے ہمراہ چلا

چھٹ گیا غم سے مرا کشتۂ ابرو مرکر
اک چھری سینے کے تلے مرے بھی مری آہ چلا

ولہ

نہ کیجئے ناز حسن عارضی پر	نہ سمجھو یہ بہار بیخزاں ہے

اب دو چار شعر انعام اللہ خاں یقین کے سُنئے۔

اتنا کوئی جہاں میں کبھو بیوفا نہ تھا	ملتے ہی تیرے مجھسے یہ دل آشنا نہ تھا
جمع کچھ کہیں ہیں تجھکو یقیں ہے سزا تری	بندہ جو تو بتوں کا ہوا کیا خدا نہ تھا

ولہ

سر پر سلطنت سے آستان یار بہتر تھا	ہمیں ظل ہما سے سایۂ دیوار بہتر تھا

ولہ

کعبہ بھی ہم گئے نہ گیا پر بتوں کا عشق	اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

بنو (ط) دلّی کی ایک پردہ نشین عفت فروش تھی حسن ظاہری سے نہایت ہی آراستہ تھی۔ گلاب سنگھ کھتری متخلص بہ آشفتہ دہلوی جو خود بھی ایک حسین طرحدار جوان تھے اس پر فریفتہ تھے۔ مگر یہ ظالم قتالہ عالم کبھی اُدھر ملتفت نہوتی تھی۔ اور بعض تذکرہ نویس کہتے ہیں کہ بنو بھی آشفتہ پر شیفتہ تھی۔ کچھ دن وصل و وصال میں بسر ہوئے۔ مگر آخر کار فلک تفرقہ انداز رنگ لایا۔ عاشق و معشوق کو جدا کر دیا۔ آشفتہ کی طرف سے اگرچہ وصل اور صفائی کی سیکڑوں تدبیریں کی گئیں مگر

بس زندہ تھی ایک شعر پڑا ہے جو بے ملکہ بہت خوب ہے۔

ہستی ضرور چاہیے اساس ظاہری — دنیا کے لوگ دیکھنے والے ہوا کے ہیں

بسم اللہ تخلص تھا۔ نام بسم اللہ بیگم۔ دہلی کی رہنے والی تھیں ان کی والدہ ولایت زاد تھیں مگر یہ دلی میں پیدا ہوئیں ابتدائے سن شعور سے شعر گوئی کا شوق تھا اور منشی انعام اللہ خاں یقین شاگرد مرزا جان جاناں مظہر کی شاگرد تھیں منشی انعام اللہ خاں یقین حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں تھے اسلاف سرہند کے رہنے والے تھے مگر اُن کا مولد و مسکن دہلی ہی تھا۔ احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں ان پر زنا کی تہمت لگائی گئی اور اپنے والد ماجد کے ہاتھ سے بیگناہ قتل ہو کر شہید ہوئے۔ ان کی طبیعت میں حد درجہ کا سوز و گداز تھا کلام میں درد و اثر اسقدر تھا کہ دیکھنے والا اب بھی آہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ صاحب دیوان تھے اب دیوان نایاب ہے لہذا ہم مناسب موقع سمجھ کر یقین مرحوم کا بھی تھوڑا سا کلام یہاں درج کریںگے۔ پہلے بسم اللہ کے کلام سے بسم اللہ کرتے ہیں۔

تری اُلفت میں یہ حاصل ہوا ہے — کہ مضطر ہے دل کا ہے طپاں ہے

مصنف تذکرہ چمن انداز کو ان کے دوست میر عباس تاجر کتب دہلی نے
سنایا تھا اور مجھے اس تذکرہ سے ملا۔

آمیر (ط) لکھنؤ کی ایک مجموعۂ ناز و انداز طوائف تھی۔ جو
بارہ سو ستر اور اسی کے درمیان زندہ تھی نہایت ذہین اور طباع تھی
اشعار میں انتہائی سوز و گداز ہے۔ اگر وہ اپنے دعوائے تصنیف میں
سچی تھی تو یقینی بہترین کہنے والیوں میں اُسکا شمار کیا جاسکتا ہے
جو مطلع لکھا جاتا ہے اُسکی آمد اُسکے جذبات کی تعریف محال ہے۔

جدھر کے دیکھنے سے جان نار جاتی ہے — اُسی طرف کو نظر بار بار جاتی ہے
یہ بغض تھا کہ نہ چھوڑا تمھارے کوچہ میں — صبا لئے مرا مشتِ غبار جاتی ہے
یہ محو دید رُخ گل ہے بلبلِ شیدا — نہیں خبر کہ چمن سے بہار جاتی ہے

مولوی عبد الغفور صاحب نساخ مصنف تذکرہ سخن شعرا بھی اس سے
ایک مرتبہ ملے تھے تذکرہ میں اس ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

بائے تازی

بستی (ط) اکبرآباد یعنی آگرہ کی رہنے والی تھی بارہ سو ترانوے ۱۲۹۳

آکر اپنی ماں کو دیدیا۔ ماں ایک گرگِ باراں دیدہ۔ گیے عاشق گیے معشوق
بودہ۔ تجربہ کار۔ سرد وگرم چشیدہ سلسد دلپست کا لطف اُٹھائے ہوئے
تھی سمجھ گئی اور پوچھا کہ تیرے پاس یہ روپیہ کہاں سے آیا لڑکی نے
کھسیپتی ہوئی۔ تبسم ملیح سحر کو نگاہوں کو جھکائے ہوئے جواب دیا کہ
ابھی ابھی جو ماما ریں فلاں کام کے لئے گئی تھی تو یہ روپیہ راستہ میں
پڑا ہوا ملا۔ ماں تو اسکی ماں تھی۔ تبسم زیرلبی کے ساتھ کہنے لگی کہ واہ
بیٹی ایک ہی روپیہ ملا۔ اس عمر میں تو کبھی کبھی ہمیں پانچ پانچ روپیہ
ایک ساتھ پڑے ہوئے ملتے تھے۔ ایسے ہی میں کہتا ہوں کہ عالم
شباب میں اگر عصمت فروش کی مفلسی گھٹی تو کیا گھٹی اس کو تو مالدار
ہوجانا چاہیئے تھا۔

امیر (ط) اسی مجموعہ یار دوستی جسکا ابھی ذکر ہوا۔
(یعنی امراؤجان) کی ماں کا نام ہے جو علی بخش والی کے نام سے
مشہور ڈیرہ دار تھی ایک شعر درج تذکرہ ہے جو میں بھی لکھتا
ہوں۔ خدمات نسوانی کا صحیح فوٹو اور صاف نقشہ ہے۔

غصہ سے چہرہ میرا گلِ نار ہوگیا — بس یار مجھ پہ طعنۂ اغیار ہوگیا

اور یہی نام ہے اور یہ اس کا نمونۂ کلام ہے

گر مجھکو سرِ کاکُلِ خمدار نہ ہوتا　　تو یوں میں بلاؤں میں گرفتار نہ ہوتا

امراؤ (ط) دہلی میں ایک طوائف امیر جان تھی جو نہایت مشہور تھی علی بخش والی کے نام سے معروف تھی۔ اُمراؤ اُنکی لڑکی کا نام تھا جو نہایت حسین و خوبصورت تھی۔ اہل تذکرہ نے اُس کا ایک شعر نقل بھی کیا ہے۔ جو واقعات اور حالات حاضرہ کا ایک عمدہ ثبوت اور شاہد عادل ہے۔

آئے اُمراؤ دِن ترے اَچھے　　دِن بدن مُفلسی جو گھٹتی ہے

تعجب ہے کہ اس میں مفلسی کے گھٹنے کو اچھے دنوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حالانکہ ضرورت تھی کہ امیر جان کی طرح امیر ہو جانا چاہیے تھا۔ اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا جو بیساختہ سپرد قلم کرتا ہوں۔

لطیفہ ایک حسینہ دوشیزہ عصمت فروش لڑکی کو کسی دل چلے نے ایک روپیہ نذر کر دیا۔ اُسنے اس نیاز عاشقی کی نذر و نیاز کو قبول تو ضرور کر لیا مگر اس خیال سے کہ اس کا چھپانا ذرا دشوار ہوگا

نہ بوسہ دینا آتا ہے نہ دل بہلانا آتا ہے
تجھے تو ادوت کا فقط ترسانا آتا ہے
کسی عاشق کا مشک استخواں ہے میں یہ مانونگا
کہ شانہ تیرے مرج تک اِتنا بانکا نہ آتا ہے

اُمراؤ۔ حسینی بیگم نام تھا۔ خاک پاک دہلی میں قیام تھا۔ عہد بادشاہ بہادر شاہ ظفر میں بقید حیات تھیں بادشاہ کی غزل پر غزل کہی تھی جسکے دو شعر اہل تذکرہ کی مہربانی سے دستبرد زمانہ سے ابھی تک محفوظ ہیں وہی میں بھی لکھے دیتا ہوں۔

لب عالم میں چھڑاتا تھا اگر اپنوں سے — پہلے ہی سرہ بیگانہ سایا ہوتا
گرچہ منظور نہ تھی خانہ نشینی میری — تو مجھے ساکن ویرانہ سایا ہوتا

خود ظفر مرحوم کی غزل بھی مسلسل ہے جو اکثر نظروں سے گزری ہوگی۔ بالکل اسی انداز میں انھوں نے بھی غزل کہی ہے۔ آخری شعر میں اگر کی بجائے اگرچہ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ مگر عورتوں کی شاعری اور اُن کی زبان کے لئے سب معاف ہے۔

امراؤ (ط) لکھنؤ کی ایک شاہد بازاری تھی جسکا یہی تخلص ہے

بیقراری قرار ہے اپنا

اس حاضر جواب شوخ مزاج نے فوراً اُس پر یہ مصرع لگایا۔ اور سُنایا۔
بدقسمتی سے اس وقت میں صرف وہی دو شعر پیش کر سکتا ہوں جو
فی البدیہ کہے گئے تھے۔

عشق دار و مدار ہے اپنا — بیقراری قرار ہے اپنا
خاک میں مل گئی ہوں جسپہ اسیر — اُسی دل میں غبار ہے اپنا

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جو ہوا چلتی ہے اُس کے اثر سے کوئی محفوظ
نہیں رہتا۔ پردہ نشین ہیں مگر یہ بھی صنعت مراعات النظیر کے
جال میں اُلجھی ہوئی ہیں۔ دوسرا شعر صاف اسکی گواہی دیتا ہے

اشک دلی کی ایک عالی قدر سخن سنج شاہزادی کا تخلص تھا
جو بارہ سو ترانوے ہجری میں زندہ تھیں زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا
مصنف تذکرہ مرأت خیالی و چمن انداز نے دو شعر نقل کئے ہیں
اگرچہ یہ شعر اس سے پہلے بھی میرے حافظہ میں تھے مگر وہ اور کسی شاعر
کے تھے۔ آج سمجھا ہوں کہ یا میری یاد اور میرا خیال غلط تھا یا
مصنف مذکور کی تحقیقات نے دھوکا دیا۔ بہرحال شعر ملاحظہ فرمائیے۔

آرائش (ط) دہلی کی ایک شاہد بازاری تھی گر پڑ پڑ شیبوں
کو بھی مات کر دیا کہ مصنف تذکرہ چمن انداز کو اس کا حال اس کا نام
اس کے زمانہ میں بھی معلوم نہ ہو سکا۔ بالفاظ دیگر صرف یہی لکھکر سبکدوش
ہو گئے کہ پہلے بازاری تھیں اب خانہ نشین ہیں۔ کبھی زیب بازار تھیں
اب آرائش خانہ ہیں صرف ایک شعر مل سکا ہے اسی کو بطریق یادگار
یا خانہ پُری درج کرتا ہوں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایک شعر کے
لکھنے سے نہ تسلی ہوئی اور نہ شعر لکھنے کے قابل تھا۔ مگر پھر بھی سچی
اور دل کو لگنے والی بات کہی ہے محوڑا سُنیے ۔

جوانی میں بھلی معلوم ہوتی تھی یہ آرائش
بُڑھاپے میں تو مہندی مسّی کی ہو جاتی ہے یاایش

امیر۔ امیر بیگم نام تھا۔ شاہ فخر الدین صاحب قدس سرہٗ
(جو دلی کے ایک مشہور و معروف بزرگ تھے) کی شاگرد تھیں۔
بیگمات چغتائیہ میں تھیں۔ حاضر جواب بذلہ سنج لطیفہ گو خوش مذاق
شاعرہ تھیں ۔

کسی دن ایک شخص نے اِن کو یہ مصرع سُنایا ع

اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

درد عصیاں کے سبب سے ہی مری جان چلی
اور بچنے کی نہیں سوجھتی تدبیر کوئی

عرض اختر کی بھی قدسی کی طرح سے ہی ہے
سیدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی

آمدہ سوئے تو قدسی پے درماں طلبی

غزل کے میدان میں بھی ذہانت اور خداداد طبیعت کی روانی کے جوہر دکھائے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے ۔

لکھ کر جو میرا نام زمیں پر مٹا دیا
اُن کا تھا کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

اِک آہ شعلہ بار سے دل کو جلا دیا
لو آج ہم نے اس کا بھی جھگڑا مٹا دیا

..

آستاں پر ترے پیشانی کو گھستے گھستے
سر ہی غائب ہوا جسمیں کہ ترا سودا تھا

•

خط لیکے نامہ بر سے جو ٹکڑے اُڑا دیے
غیروں نے آج اُنکے تئیں کچھ پڑھا دیا

تقصیر کی نہ قصورِ عدو سے ہے کچھ
آخر ہمارے دل ہی نے ہم کو جلا دیا

ایک زمانہ میں ایک ماہوار رسالہ حدیث قدسی نکلا کرتا تھا اُسمیں اختر کا اکثر کلام ملتا ہے ۔

زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ تیسرین رطبی

سب سے پہلے کیا پیدا ترا اللہ نے نور — پردۂ ذات میں اس نور کو رکھا مستور
اور اس نور کا اظہار ہوا جب منظور — ذات پاک تو در یں ملک عرب کردہ ظہور

زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبانِ عربی

ہر تیرے نور سے پر نور ہیں دشت و دشت — گلشن حرم ہو تیرے ہی لئے گلگشت
تیرے ہی واسطے ہیں حامی حیات بہشت — شب معراج عروج تو زا افلاک گذشت

بہ مقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

قدسیاں آنکھیں بچھاتے ہیں ترے زیر قدم — خاک پا تیری ہی ہے سرمۂ چشم عالم
سجدہ کیو مری تقصیر رائے شاہ امم — نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم

زانکہ نسبت بہ سگِ کوے تو شد بے ادبی

سختی حشر سے گھبرائیگی جب مخلوقات — اور نہ بن آئیگی اے ابر کرم کوئی بھی بات
امیا سب تجھے کھو بیٹھے کرامی ارحمات — ما ہمہ تشنہ لبانیم توئی آب حیات

لطف فرما کہ زحد می گذرد تشنہ لبی

ہو گئی لہو و لعب ہی میں مری عمر بسر — یاد خالق میں نہ مصروف ہوئی ہیں ہم
گھستی ہوں اصحیہ عجز کو تیرے در پر — چشم رحمت بکشا سوی من انداز نظر

کہتی تھیں ۱۲۹۲ھ تک بقید حیات تھیں اسوقت تذکرۂ مرآت خیالی میں یہ کلام درج کیا گیا ہے لفظ لفظ سے مشق کلام کا پتہ چلتا ہے کلام ملاحظہ ہو۔ قدسی کی اُس غزل کو جس کا ایک ایک مصرع مشہور خاص و عام ہے تضمین کرکے داد خوش گوئی دی ہے۔

تجھ پہ قربان ہوں اے ہاشمی و مطلبی کہ ہے مشہور دو عالم تری عالی نسبی
دیکھ رتبہ کو ترے شوکت افلاک دبی مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

وہ ترا نور ہے ماہ فلک و مہر کرم تیرے جلوہ سے منور ہوئے دونوں عالم
تاب یوسف کو کہاں ہے کہ ترے رکھے قدم من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال ست بدیں بوالعجبی

واہ کیا درجہ ہے کیا شان ہے اور کیا رتبہ خالق ارض و سما خود ہے ترا مدح سرا
انبیا کہتے ہیں سب صل علی صل علی نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
برتر از آدم و عالم تو چہ عالی نسبی

تو ہے نیسان کرم اور سحاب اکرام بھر دیا موتیوں سے دامن امید انام
بار آور ترے باعث سے ہے نخل اسلام نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام

طبیعت راغب رہی۔ اس کے بعد شعروشاعری کی طرف طبیعت کھنچ آئی۔ ایک شریف گھرانے سے تھی اور ایک تعلیم یافتہ امیر زادہ کے ساتھ شادی ہوئی تھی۔ پورا دیوان مرتب کرلیا تھا مگر چونکہ ان کے شوہر کو شاعری کی طرف میلان نہ تھا۔ نہ اُس زمانہ میں شریف مستورات کی شاعری کچھ استحسانی نظر سے دیکھی جاتی تھی اس واسطے سنا گیا ہے کہ ان کا دیوان غائب کردیا گیا۔ اور اسی غم میں احمدی بیگم بیمار ہوئیں غم کی فراوانی سے نوبت یہاں تک پہونچی کہ ہمیشہ تپ رہنے لگی۔ ہوتے ہوتے انجام وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ دق ہوئی اور انتقال کرگئیں۔ دو شعر موجود ہیں جو لکھے دیتا ہوں۔

اُسے اس جفا پر پشیماں کیا   محبت نے انساں کو انساں کیا

چمن میں بھی مجنوں نے احمدی   گلوں کی طرح چاک داماں کیا

اختر نواب اختر محل کا تخلص ہے۔ جو خاندان تیموریہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ نہایت ہی ذکی ذہین طباع بیگمات تھیں۔ اکثر نعت و منقبت وغیرہ میں شاغل رہتی تھیں۔ اسی صنف میں کلام ملتا ہے مگر شاید تفنن طبع کے خیال سے کبھی کبھی غزل بھی

آکہ ستم۔ کا مضمون تھا۔ بارہ سو ساٹھ کے بعد انتقال ہوا۔

مصنف تذکرۂ چمن انداز۔ و تذکرۃ الشاعرات نے صرف ایک شعر نقل کیا ہے۔

ہے عیش اُسکے جی کو اجی غم بہت ہے یاں

شادی وہاں رچائی ہے ماتم بہت ہے یاں

مگر میری معلومات کا ذریعہ اس سے کچھ زیادہ وسیع ہے مجھ سے جن بزرگ نے یہ حالات بیان کیے وہ آج ہزاروں من خاک کے نیچے سو رہے ہیں۔ وہ مدتوں خود اُس کے مکان پر گئے اُس کا گانا سُنا۔ اُس کا کلام سُنا۔ اکثر یاد کیا کرتے تھے۔ کبھی ہنس ہنس کر یہ شعر بھی پڑھتے تھے اور آپ ہی آپ مزے لیتے تھے۔

آپ سے بات بھی کرے کوئی — یہ بھلا کیا مجال ہے صاحب

جان کوئی خوشی سے دیتا ہے — کیا نرالا سوال ہے صاحب

خاک سے ٹک اُٹھائیے اُسکو — دل مرا پائمال ہے صاحب

احمدی۔ سونی پت جو نواح دہلی میں مشہور و معروف مردم خیز قصبہ ہے اُس میں یہ شاعرۂ نادرہ پیدا ہوئی۔ اولاً تعلیم و تعلم کی طرف

کلام دستیاب ہوا ہے وہی لکھدیا جائے گا۔ اور جس صنف میں کلام ملے گا اسی کو داخل تذکرہ کیا جائے گا۔ مگر جہاںتک ممکن ہوگا اُردو کی غزل کو بنظر ترجیح دیکھا جائے ۔

(مؤلف)

الف

اچپل۔ بیگم جان طوائف کا تخلص تھا۔ جو اپنے زمانہ کی ہم پیشہ عورتوں میں نہایت ہی مشہور تھی۔ موسیقی میں اسکو کامل مہارت تھی یہاں تک کہ جب تب کو تعلیم لیتی تھی تو گویا راستہ چلنے والوں کو عشق و عاشقی کی تعلیم دیتی تھی سرآمدہ کے پیچھے ایک ہجوم عام ہوتا تھا۔ اکثر عاشقاں رنگین مزاج اس کے ہاتھ سے تباہی کی حدوں میں جا پہونچے تھے ہر قسم کے لوگوں کا مجمع رہتا تھا ۔ صورت پرست شاعر بھی جاتے تھے اپنا اپنا کلام اُس کو دیتے اور موسیقی کے ساتھ سُنتے تھے انھیں کے فیض صحبت نے لمصداق کہ رنگ ہمنشیں درمن اثر کرد۔ شاعر بھی سا دیا تھا وگرنہ مس ہماں حاکم

حالات کم ہوں گے اور مجھے کم ہی دستیاب بھی ہوئے۔ البتہ ضرورت اور محل کے موافق اسمیں لطائف شامل کرتا جاؤں گا تاکہ ناظرین کی دلچسپی کا ایک خاص ذریعہ نکل آئے۔

غزلوں، نظموں، قصیدوں وغیرہ غرضکہ ہر قابل انتخاب چیز کا انتخاب ہوگا۔ صرف ایک شے پر انحصار نہوگا۔

چونکہ تذکرہ کم۔ حالات کی فراہمی اور بہم رسانی میں دشواریاں تحقیق میں مصیبتیں ہیں لہذا ممکن ہے کہ کہیں کوئی غلطی ہو جسکے لئے میں پہلے ہی معافی مانگتا ہوں۔

یہ تذکرہ ردیف وار ہوگا تاکہ ترتیب بیکار نہ ہو۔ اور کسی تخلص کو ڈھونڈھنے میں تمام کتاب کی ورق گردانی کی زحمت بیجا گوارا نہ کرنی پڑے۔

ہر جگہ یہ ترتیب ملحوظ رہتی کہ پہلے اُن عفت مآب خواتین کا کلام درج ہوتا جو اعلی طبقوں اور والا خاندانوں سے متعلق ہیں اسکے بعد دوسرے فرقہ کو درج کیا جاتا ترجیح بلا مرجح سمجھ کر اس خیال کو چھوڑ دیا جن کا کلام اُردو میں دستیاب نہوگا اُن کا جس زبان میں

کرنے کا ابھی تک کوئی ایسا آلہ دریافت ہوا جو گھر بیٹھے ہر شاعرہ کا حال ہمیں آئینہ کردے۔ اور اگر مِن المثل کوئی راز معلوم ہو بھی جائے تو افشائے راز نہایت ہی بیہودہ حرکت اور بیہودگی ہے۔ لہذا میں اول تو صرف نام وغیرہ پر اکتفا کروں گا اور جہاں کہیں ضرورت ہوگی تو معمولی معمولی حالات لکھدوں گا البتہ جہاں تک ممکن ہوگا اُن کے کلام کے انتخاب کی بہترین کوشش کروں گا۔

چونکہ فن شعر گوئی ایک ہبی فن اور عطیۂ قدرت ہے اسواسطے اس میں ہر قوم اور ہر فرقہ کے آدمی شامل ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ ہم اس سے مجبور ہیں کہ جس صف میں ایک عالی خاندان شریف مستورہ عفت نشیں یا ایک نوجوان دوشیزہ مہ جبیں والا دودمان کا ذکر ہو۔ وہیں ایک حسین بازاری بھی ہو نگر کیا کیا جائے۔

سد، عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

پھر بھی اتنا خیال رکھا گیا ہے کہ ہر ایک طوائف یا اسی قسم کی شاعرہ کے نام کے ساتھ ہی (ط) کا نشان دیدیا گیا ہے۔

کی بھرمار سے زیادہ ترآن کا کلام پاک وصاف ہے مقفیٰ اور مسجع نہیں ہے وہ یہ کوشش نہیں کرتیں کہ آن ہوئی بات کہی جائے اُن کے خیالات صاف ہیں۔ وہ رقیق القلب اور نازک دل ہوتی ہیں اس لیئے کوئی سبب نہیں ہے کہ اُن کے کلام میں درد و اثر نہو۔ عامیانہ اور سوقیانہ بندشیں بھی اُن کو نہ پسند ہوسکتی ہیں اور نہ میسر آسکتی ہیں۔ اس لیے کہ فطرت نے حیا کو اُن کے خیال کی بیراہ روی کا محافظ اور اُن کی یاوہ گوئی کا زبردست نگہبان بنایا ہے۔ وہ جعفر زٹلی اور چرکین وغیرہ کی یاوہ گوئی سے غالبًا ہمیشہ کے لئے محفوظ ہیں۔

بہرحال یہ سب قدرتی مواد جمع ہے کوئی سبب نہیں کہ اِن کے کلام کو جمع نہ کیا جائے۔ ہاں میرے لئے سب سے زیادہ مایوس کن یہ بات ہے کہ نہ تو سوائے دو تین چھوٹے چھوٹے تذکروں کے کوئی تذکرہ ملتا ہے۔ اور نہ یہی ممکن ہے کہ خط و کتابت کرکے کلام حاصل کیا جائے۔ اُن سے خط و کتابت کرنا جانبین کو اُلجھنوں اور مصیبتوں میں ڈال دینا ہے۔ اِسی طرح اُن کے صحیح صحیح حالات ملنا دشوار تر ہیں۔ چونکہ نہ وہ خود بتا سکتی ہیں نہ کوئی اور۔ نہ دل کے راز معلوم

اس میں موجود ہو۔

(۳) فضول لغو خیالوں اور کوہ کندن کاہ برآوردن سے
پاک ہو۔ میرا یہ خیال ہے کہ ہر وہ شاعر جو اسی فکر میں رہیگا کہ میں
ایسی نئی بات کہوں جو اب تک کسی نے نہ کہی ہو وہ یقینی مہمل گو ہوگا
اور اس کے اکثر مضامین قابل مضحکہ ہوں گے اول تو یہ ممکن ہی
نہیں کہ کوئی آدمی ایسی بات کہے کہ جو کسی نے نہ کہی ہو۔ کیونکہ
انسان میں فطرتاً قوت ابداع نہیں رکھی گئی وہ تراش خراش
کر سکتا ہے مگر یہ ممکن نہیں کہ کوئی نئی بات پیدا کر سکے۔

(۴) خیالات صاف ہوں۔ اُلجھے ہوئے الفاظ بھی نہوں اور
پیچیدہ بندشیں بھی نہوں۔

(۵) جذبات درد و اثر سے لبریز ہوں۔

(۶) عامیانہ اور سوقیانہ خیالات نہوں۔

اور ایسی ہی چند باتیں شاعری کی خوبیوں کی بابت لکھی جا سکتی
ہیں۔ یہ سب باتیں طبقۂ نسواں میں اعلیٰ درجہ پر موجود ہیں۔
اُن کی زبان میں تصنع نہیں، ضلع جگت تشبیہ اور استعاروں وغیرہ

تذکروں کی بنا اسی پر ہے۔ مگر حقیقتًا یہ ایک قسم کی ناانصافی ہے کوئی سبب نہیں معلوم ہوتا کہ اس دورِ ترقی میں جب ہر شے برابر ترقی پذیر ہے اس خیال کو صرف دماغ تک محدود رکھا جائے یقینی یہ ایک صریحی ظلم ہوگا۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ صنفِ نازک جس کے جذبات مردوں سے زیادہ نازک اور دلکش۔ جنکی زبان صاف شستہ بے تصنع اور محفوظ ہے۔ جن کے اکثر خیالات حیا کے عطروں سے مہک رہے ہیں۔ جن کے پہلوؤں میں مردوں سے زیادہ دردمند اور جلد سے جلد متاثر ہونے والا دل ہے۔ جنکی صورت۔ خو، بُو، آواز چال ڈھال رفتار سب میں فطرتی اور خلقی دلکشی ہے۔ اُن کے کلام میں کیوں نہ دلکشی ہوگی۔ ہوگی اور ضرور ہوگی۔ کیونکہ دلکشیِ کلام کے لیئے چند چیزوں کی ضرورت ہے جو مستورات میں بصورتِ احسن موجود ہیں۔

(۱) زبان صاف شستہ ہو، بامحاورہ ہو، تصنع اور حشو و زوائد سے دور ہو۔

(۲) مقفّٰی اور مسجّع نہو۔ تاکہ آورد نہ معلوم ہو اور آمد کا لطف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اگر بہ نظر غور و تعمق دیکھا جائے تو شاید یہ بات غلطی سے دور ہوگی کہ زمانۂ موجودہ میں تذکرہ لکھنا ایک قسم کی تحصیل حاصل ہے اس لئے کہ لکھنے والوں نے اس فن شریف کو معراجِ کمال پر پہونچا دیا ہے اتنے اتنے اور ایسے ایسے تذکرے لکھے گئے کہ اُسکے حد تذکرہ لکھنا ایک حد تک منھ چڑانا ہے۔ مگر غور سے دیکھنے پر ایک بات دل میں تیر بن کر کھٹکتی ہے۔ وہ یہ کہ تذکروں میں جو ہر عقید کی کمی پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے۔ یہ کمی ایک ایسی سخت بات ہے جس کی تلافی غیر ممکن اور دشوار ہے مگر اسکے کہ کچھ کچھ ایسے ایسے تذکرے لکھے جائیں جن میں نقد و بحث ہو۔

دوسرے یہ کہ اتفاق سے جسقدر تذکرے دیکھے گئے اُن میں زیادہ تر حصہ مردوں کے کلام کا ہوتا ہے بلکہ زیادہ کیا تمام

تذکرۃ الخواتین

یعنی ہندوستان اور فارس کی بہتر اور مشہور شاعرہ عورتوں کا ذکر مع نمونہ کلام

مصنفہ و مرتبہ

مورد درد جناب مولوی عبدالباری صاحب آسی الدنی مقیم

مصنف شرح دیوان غالب شرح تحفۃ العراقین اقوال اکبر تذکرہ صدگل وغیرہ

باہتمام

بابو کیسری داس صاحب سیٹھ سپرنٹنڈنٹ

مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں چھپکر شایع ہوا

تذکرۃ الخواتین

(از مصنفہ مولانا عبدالباری آسی)

مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں چھپکر شائع ہوا